عرشِ الٰہی کا سایہ

فہرست مضامین

از

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دینی بک ڈپو۔ اردو بازار۔ دہلی ۶

قیمت مجلد ـــــ ایک روپیہ تیس نئے پیسے

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزہ ایک صوفی کی نظر میں

بعض احباب نے میرے ایک وعظ کے بعض حصّوں کی اشاعت پر اصرار کیا ہے اگرچہ میں جانتا ہوں کہ منبر اور اخبار میں بڑا فرق ہے لیکن مجبوراً چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ اگر خواص نے اس کو پسند کیا تو آئندہ بھی اس قسم کی چیزیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ میں اپنی تقریر کی طرح تحریر کو بھی سہل کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر عوام کو کوئی دلچسپی نہ ہو تو مجھے معاف فرمائیں کہ اس سے زیادہ وضاحت کم از کم میرے امکان سے خارج ہے۔

یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ روزے کا وقت صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک ہے۔ اس وقت میں کھانا پینا۔ اور عورتوں کی قربت حرام ہے۔ بظاہر ان چیزوں کے ترک میں کوئی عبادت کا پہلو نمایاں نہیں ہوتا۔ بلکہ خدا کی نعمتوں سے ایک قسم کا اعراض ظاہر ہوتا ہے۔ کھانا موجود ہے۔ اور بھوک بھی ہے۔ پانی موجود ہے اور پیاس بھی ہے۔ قوتِ شہوانی کے ازالہ کی صورت موجود ہے۔ حلال بیوی پاس بیٹھی ہوئی ہے لیکن ہم نہ کھاتے ہیں۔ نہ پیتے ہیں۔ نہ اپنی بیوی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان انعاماتِ الٰہی کو ترک کر کے خدا کی قربت حاصل کرنے کی کیا صورت

ہو سکتی ہے۔ یہ شبہ اگرچہ بادی النظر میں بہت قوی معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت حق جل علاہ کی صفات پر نظر ڈال لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا تعالےٰ کھانے سے پاک، پینے سے پاک، اور جورُو سے منزہ ہے۔ ان صفات کو سمجھنے کے بعد خواہ مخواہ ایک روزہ دار کی حالت کے متعلق ذہن منتقل ہوتا ہے۔

ایک مسلمان کا اصل مقصد

اس امر سے بھی تمام مسلمان آگاہ ہیں کہ مسلمانوں کی زندگی کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہمارے کا خدا تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جائے۔ ہم خدا سے محبت کریں۔ اور خدا ہم سے محبت کرے۔ ہم اسے دوست سمجھیں اور وہ ہم کو دوست بنائے۔ ہم اس کے ہوں اور وہ ہمارا ہو جائے۔ اس کے ماسوا مخلوق پر ہماری نظر نہ ہو۔ اور وہ بھی تمام مخلوق میں ہماری محبت کا اعتراف کرے۔ وَالَّذِینَ اٰمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ[1]۔

جب یہ چیز صاف ہو گئی۔ اور ایک مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے کا منشاء معلوم ہو گیا، تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو چیزوں کے باہمی تعلق میں کوئی مشارکت ہونی چاہیئے۔ ایک طرف خاکی پتلا ہے۔ جو اگرچہ خلق اور امر کا مجموعہ ہے۔ لیکن جملہ عیوب میں ملوث۔ اس کا وجود ہی اس کے لئے ایک کبیرہ گناہ ہے۔

اکل و شرب و بول و براز، جسمیت جوہریت وعرضیت، امکان و فنا، غرض کوئی ایک عیب ہو جس کا شمار کیا جائے۔ دوسری طرف وجوب ہے، بقا ہے۔ جملہ عیوب سے تنزیہہ ہے کہ وہاں کسی قسم کا شائبہ نقص بھی کفر ہے۔ اس قسم کی دو ہستیوں کا باہمی تعلق کیونکر ممکن ہے؟ اب یا تو وجوب کو امکان کی طرف مائل کیا جائے، اور یا امکان کو وجوب کی جانب بلند کیا جائے۔ پہلی صورت تو یقیناً محال ہے۔ واجب الوجود کا

---

[1] مومنوں کو خدا تعالیٰ سے بہت محبت ہوتی ہے۔

امکانی صفات سے متصف ہونا یقیناً حرام ہے۔ خدا کا خدائی کے مرتبے سے نیچے آنا۔ اس کا کون بے وقوف قائل ہو سکتا ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ امکان کو واجب بالغیر بنایا جائے۔ اور بندے کو بعض خدائی صفات سے متصف بنا کر خدا سے قربت کرتے ہوئے ایک مناسبت پیدا کی جائے! امکان کو وجوب کی چادر اوڑھا دینا واجب کی عادت ہے۔ ایک انسان کی ذلت کو عزت سے، اور فنا کو بقا سے، احتیاج کو اختیار سے بدل دینا مولائے ذوالجلال کا عام کرم ہے جو خاص بندوں سے گزر کر عام اہل جنت کو بھی عطا ہو گا۔ چنانچہ جنتیوں کے وصف میں فرمایا گیا ہے "لھم فیھا مایشاؤن ولکم فیھا ما تشتھی الانفس" حالانکہ یفعل مایشاء اور اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون، واجب کی صفت ہے اور لیجیے۔ اہل جنت کے نام دعوتی خط کا مضمون پڑھیے:-

دعوتی خط کا مضمون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

من الحی الذی لا یموت الی العبد الذی صار حیا لا یموت
من العزیز الذی لا یذل الی العبد الذی صار عزیزا لا یذل
من الغنی الذی لا یفتقر الی العبد الذی صار غنیا لا یفتقر یا عبدی زرنی فانی مشتاق الیک [1]

---

[1] یہ خط ایسے شخص کی جانب سے ہے جو غالب ہے اور کبھی نہیں مریگا اور ایسے عزت والے کی جانب سے ہے جو کبھی ذلیل نہ ہونیوالا ہو گیا۔ ایسے شخص کی طرف سے ہے جو غنی ہے اور کسی کی طرف محتاج نہیں ایسے بندے کی طرف جو غنی ہو گیا اور وہ اب کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اے میرے بندے تو مجھ سے ملاقات کر میں تیری ملاقات کو دوست رکھتا ہوں۔

یہ وہی وجوب کا لباس ہے جس سے ممکن کو نوازا گیا ہے۔ پس امکان کو بلند کر کے وجوب تک لیجایا جا سکتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ ہم کھانے سے پاک ہیں۔ تو بھی کھانا چھوڑ دے۔ ہم پینے سے پاک ہیں تو بھی پینا چھوڑ دے ہم بیوی سے پاک ہیں تو بھی چند گھنٹوں کے لئے بیوی سے علیحدہ ہو جا۔ تاکہ مجھ میں اور تجھ میں ایک مناسبت پیدا ہو جائے۔ جو تعلق قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ پس روزہ کیا ہے۔ الٰہی صفات سے متصف ہونے کا نام ہے۔ بندے کو خدائی صفات کا رنگ دیدیا گیا ہے۔ تاکہ خدا سے محبت کے تعلقات قائم ہونے میں دشواری باقی نہ رہے۔

شبہ کا اندفاع

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ خدا تو بندے سے بالکل قریب ہے۔ جب کوئی پکارے تو فوراً جواب ملتا ہے۔ جب دوری نہیں ہے۔ تو پھر اس تبدیلی کی ضرورت ہی کیا ہے۔

یہاں قرب و بُعد کی بحث نہیں ہے۔ بلکہ دو چیزوں میں محبت قائم کرنے کے لئے باہمی ارتباط اور مناسبت کی ضرورت ہے۔ جواب تو ہر ایک کو ملتا ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ صورت بدل کر صفات میں تبدیلی کی جائے۔ اور وجوب کی چادر میں لپیٹ کر واجب الوجود کی طرف قدم بڑھایا جائے۔ تاکہ ایک منتظر ہستی اس ممکن کو وجوب کی گود میں بٹھا کر گلے لگائے اور اپنی نہ فنا ہونے والی محبت آمیز گفتگو سے فرمائے:۔

ذٰلک بان اللہ مولی الذین آمنوا وان الکافرین لا مولیٰ لہم[1]

من تو شدم تو من شدی ، من تن شدم تو جاں شدی

[1] مومنوں کا دوست تو خدا ہے لیکن کافروں کا کوئی دوست نہیں۔

پس روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک غلام جس کو بادشاہ اپنے قرب میں بٹھانے کا آرزومند ہے لیکن غلام بن کر غلام سے قریب ہو آداب شاہی کے خلاف ہے اس لئے غلام کو شاہی لباس عطا کر دیا گیا ہے تاکہ دربارِ ملوکیت میں لذّتِ قرب سے متمتع ہو سکے۔

ایک اور توجیہ

ہر حسین اور خوبصورت میں ایک فطری جذبہ ہے کہ وہ اپنے حسن کو دیکھنے کی تمنا کرتا ہے۔ آئینہ کی ایجاد اسی فطری جذبہ کا نتیجہ ہے۔ جب وہ حُسن جو فنا ہونے والا ہے۔ وہ خوب روئی جو مٹنے والی ہے۔ اپنے اندر ایک فطری جذبہ رکھتی ہے تو قدرت جو اپنے اندر بے شمار صفات رکھتی ہے۔ خالق کائنات جو ہر بھلے نام سے متصف ہو سکتا ہے۔ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا۔ وہ ذات جو ہر آن میں ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے کل یوم ھو فی شان ٥ کیونکر یہ نہ چاہتی کہ اپنے حسن کو خود ہی دیکھے۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے کائنات کا ہر ذرّہ دست بستہ بڑھا۔ وہ کیا ہے جو ان کی صفت کا مظہر نہیں ہے، عالم کون کی ہر چیز نے آئینہ بننے کی درخواست کی، لیکن قدرت کی دوربین نظر نے اپنی مخلوق میں سے اسی چیز کو اختیار کیا جسے ان اللہ خلق اٰدم علی صورتہ کے معزز خطاب سے ازل ہی میں سرفراز فرما چکی تھی۔

اس لئے ارشاد ہوا۔ بندے ہماری نقل اُتار، اس آئینہ میں ہمارے عکس کو حاصل کرنے کے لئے کھانا پینا وغیرہ ترک کر دے تاکہ جب ہمیں اپنے دیکھنے کا شوق ہو تو رمضان کے مہینے اور روزے کی حالت میں تجھ کو دیکھ لیا

کریں، ایک عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

من چو مراۃ ویم حسن از جمالش بدوام
جز جمال او نمے بینم مثالِ خویشتن
آئینہ مغرور حسن خویشتن ہرگز نشد
بلکہ مے بیند جمالش در جمال خویشتن

اگر کوئی صاحب ذوق چاہیں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا روزہ دار بندہ اگر حقیقتِ منتظرہ کے دیکھنے کا مشتاق ہو تو آئینہ میں خود ہی اپنی صورت دیکھ لے۔ اور فرحۃ عند لقائہ کے حقیقی جلوہ سے بہرہ اندوز ہو۔

۲۶ مارچ ۱۹۲۷ء

فطرتِ انسانی

اور

عید

ہر جاندار کی طبیعت اس امر پر وضع کی گئی ہے کہ وہ حرکت کے بعد سکون اور محنت کے بعد آرام و راحت کو تلاش کرتا ہے۔ جانور جو غیر ذوی العقول ہیں، اور انسان کی طرح مدنی الطبع نہیں ہیں۔ ان کا آرام اس قدر ہے کہ اُن سے خدمت لینے کے بعد ان کو ان کے تھان پر چھوڑ دیا جائے۔ اور ان کو اتنا موقع دیا جائے کہ وہ دانے اور چارے سے فارغ ہوں اور اپنے تھان پر لوٹ پوٹ کر دوسرے وقت کے لئے کام کرنے کو تیار ہو جائیں۔ گھوڑے، گدھے، خچر، بیل، اونٹ اور ہاتھی کے علاوہ دوسرے حیوانات میں بھی آپ اسی قسم کی یکسانیت پائیں گے کہ وہ اپنی مفوضہ خدمت کو انجام دینے کے بعد اس امر کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ان کا مالک ان کو آرام کرنے کے لئے چھوڑ دے تاکہ وہ اپنی تکان اور درماندگی کو دور کر سکیں۔ اور آرام و راحت کے چند گھنٹے گذارنے کے بعد دوسرے وقت کے لئے پورے طور پر آمادہ ہو جائیں۔ بعض متمدن ممالک میں تو جانوروں کی خدمات کے لئے قانون وضع کئے گئے ہیں۔ تاکہ ان کے بے رحم مالک جانوروں سے بے تحاشا خدمت لے کر ان پر ظلم نہ کریں، بلکہ جانوروں کی خدمت کے لئے خاص اوقات اور گھنٹے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ تاکہ جانوروں کو اوقات خدمات کے علاوہ آرام کرنے اور راحت و سکون

کی زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے۔

انسان اور جانوروں کا فرق

جس طرح جانوروں کی طبیعت اپنی خدمت و محنت سے فارغ ہونے کے بعد دانے چارے، اور پانی کو تلاش کرتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد آرام و سکون تلاش کرتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق اس قدر ہے کہ غیر ذوی العقول کا منتہائے آرام گھاس دانے اور تھان پر کھڑے ہو جانیکا نام ہے، اور اشرف المخلوقات اور ذوی العقول کا آرام و سکون صرف کھانا اور بستر پر لیٹ رہنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ مختلف تفریح کے سامان بھی مہیا کرتا ہے۔ کوئی سوسائٹی میں بیٹھ کر دل بہلاتا ہے۔ کوئی باغ کی سیر کو جاتا ہے۔ کوئی کھلے میدان میں ٹہلتا ہے، کوئی سینما دیکھنے جاتا ہے، کوئی تاش اور شطرنج کھیل کر دل بہلاتا ہے۔ کوئی دوستوں میں بیٹھ کر ہنسی و مذاق سے جی بہلاتا ہے۔ غرض مقتضائے طبیعت تو ہر جاندار کا یکساں ہے، لیکن انسان پھر انسان ہے، اور جانور آخر جانور ہی ہے۔ وہ بے چارہ صرف گھاس اور دانے سے خوش ہو جاتا ہے، اور یہ سامان تفریح و تعیش پر ہزاروں روپیہ خرچ کرنے کے بعد بھی دم نہیں لیتا۔ بلکہ بعض اوباش طبع اور بدچلن رئیس نوجوان بیس گھنٹے اسی قسم کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ بہر حال انسانی طبیعت نے اپنے دل بہلانے کے ہزاروں سامان مہیا کئے ہیں، اور تفریح طبع کو اپنے روزمرہ کے مشاغل میں داخل کر لیا ہے۔

میلے اور تیوہار

اسی تفریح طبع اور آرام و سکون کی زندگی بسر کرنے کے سلسلہ کی ایک کڑی

میلہ اور تیوہار ہے۔ یوں تو چھوٹی چھوٹی ٹولیاں اور سوسائٹیاں ایک جگہ جمع ہو کر اپنے دل بہلایا کرتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے بڑے بڑے اجتماع بھی کئے جاتے ہیں، ان اجتماعات کا نام عرف عام میں میلہ یا تیوہار ہے، ان میلوں اور تیوہاروں کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو ان کی غرض وغایت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مختلف مقامات کے لوگ کسی ایک جگہ جمع ہوں اور بے فکری کے ساتھ کھیلیں کودیں، اور کھائیں پئیں اور چند دن اسی قسم کا جشن منا کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں، اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہو جائیں کبھی اس قسم کا میلہ ایک بڑے شہر کے باشندے ہی مناتے ہیں اور کبھی مختلف شہروں کے لوگ جمع ہو کر اس قسم کے میلے منایا کرتے ہیں۔ ان میلوں کے لئے دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں اور بعض میلوں اور تیوہاروں کو مذہب اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کے ساتھ بھی منسوب کر دیا جاتا ہے۔

ایک فطری جذبہ

اس قسم کے چھوٹے یا بڑے اجتماعات اور اس قسم کی تقریبات اور تفریحات کا جذبہ ایک ایسا فطری اور طبعی جذبہ ہے کہ جب سے انسان نے اس دنیا میں سکونت اختیار کی ہے اور اس کو برے بھلے کی تمیز آئی ہے۔ اس وقت سے یہ جذبہ کارفرما ہے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے دنوں میں سے کسی دن خوشی منانا۔ تفریح کرنا۔ دل بہلانا انسانی طبیعت کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اس مقصد کے حصول اور اس قسم کی تفریحات کے طریقے خواہ کتنے ہی مختلف ہوں لیکن تاریخ انسانی کا کوئی صفحہ اور تمدن انسانیت کا کوئی دن اس سے خالی نہیں ہے۔ اس قسم کی تقریبات، اجتماعی یا انفرادی، سال میں ایک مرتبہ ہوں یا چند

مرتبہ، آٹھویں دن ہوں یا چھٹے مہینے غرض انسانی زندگی کے لوازمات سے یہ تقریبات تسلیم کی گئی ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر زمانہ میں ان رسومات تفریح کی شکلیں مختلف رہی ہیں۔ ابتدائی دور میں کچھ اور شکل تھی، جوں جوں انسان صحیح معنی میں انسان بنتا گیا اور آدمیت سے شناسا ہوتا گیا۔ اسی قدر ہر چیز میں تبدیلی ہوتی گئی، وحشیانہ زندگی سے جس قدر تمدن و تہذیب کی طرف انسان قدم بڑھاتا گیا اسی قدر تفریحات و تقریبات اور ایام مسرت و شادمانی میں شائستگی آتی گئی، اور مختلف زمانوں میں مختلف طریقے دل بہلانے کے ایجاد و اختراع ہوتے رہے۔

شہنشاہیت کا دور

انسانیت کے ابتدائی دور میں جب سے سرداری اور حکمرانی کی بنیاد واقع ہوئی ہے اور مختلف قبیلوں نے کسی ایک شخص کو حکمراں یا سردار بنا کر اس کی فرماں روائی تسلیم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا ہے تو صرف بادشاہ کی پیدائش کے دن کو خوشی اور مسرت کا دن سمجھا گیا۔ سال میں جب کبھی وہ دن آتا۔ اس دن مختلف طریقوں سے خوشی کا اظہار کیا جاتا۔ بعض دفعہ کسی واقعہ کو خوشی کا دن اور یوم مسرت بنا لیا جاتا تھا۔ بعض تہذیبوں میں فتح و نصرت کے دن ہی کو یوم السرور اور یوم الزینۃ کا لقب دیا گیا تھا۔

جب انسانیت نے اور آگے قدم بڑھایا، درختوں اور بتوں کی بجائے کواکب پرستی شروع ہوئی، اور چاند سورج کی حرکات سے دلچسپی پیدا ہوئی تو نوروز شادمانی اور خوشی کا دن قرار پایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس دن اہل بابل کے بتوں کو توڑا ہے وہ

دن ان کی عید کا دن تھا۔ تمام کواکب پرست شہر سے باہر عید منانے گئے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم راستے سے بیماری کا عذر کر کے واپس آ گئے، اور یہ دیکھکر کہ بتوں کا محافظ کوئی نہیں ہے۔ اور ہر شخص شہر سے باہر عید کی تقریبات میں مشغول ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے موقع کو غنیمت سمجھا، اور تمام بتوں کو چکنا چور کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس دن مصری حکومت کے جادوگروں سے مقابلہ کر کے اُن کو شکست دی ہے۔ وہ دن بھی مصریوں کی عید کا دن تھا جس کو قرآن میں یوم الزینۃ سے تعبیر کیا ہے۔

بنی اسرائیل میں بھی مختلف عیدیں منائی جایا کرتی تھیں۔ اور ان عیدوں کا تعلق اکثر ایام فتوحات سے تھا۔ مثلاً داؤد علیہ السلام کی فتح کا دن خوشی کا دن شمار کیا جاتا تھا۔ پھر فرعون پہ فتح پائی، اور مصر کی حکومت قبضہ میں آئی تو اُس دن کو عید کا دن بنا لیا گیا۔

عیسائی تہذیب میں حضرت مسیح کا یوم ولادت خوشی کا اور عید کا دن مقرر کیا گیا۔

یہود ایک عرصہ دراز تک یوم عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ کو عید مناتے رہے۔ عرب نے ایام حج جو عبادت اور مناسک کے دن تھے، بگاڑ کر میلے اور تہوار کے دن بنا لیے۔

ایران میں زردشتی تعلیم فنا ہو جانے کے بعد ہمیشہ نوروز کو عید کا دن سمجھا گیا۔

ہندوستان میں ربیع اور خریف کی فصلوں کے ساتھ ساتھ بعض دریاؤں کی پوجا اور ان میں غسل کرنے کے دنوں کو میلے اور تیوہار کے دن بنا لیا گیا۔ موسم کی تبدیلی یعنی آتے سردی اور جاتے گرمی کو تہوار منا کر ان کا نام ہولی اور دیوالی رکھا گیا۔ موسم

بہار کی آمد پر بسنت پنچمی کے دن کو خوشی کا دن ٹھہرایا گیا۔ غرض دنیا کی ہر تہذیب میں انسانوں نے اس خواہش کا مظاہرہ کیا ہے اور کسی نہ کسی جہت سے سال میں کم سے کم ایک یا دو دن خوشی کے مقرر کئے ہیں۔ کلدانی، یونانی، بابلی، مصری، ایرانی ہندوستانی غرض، ہر تہذیب میں اس قسم کے ایام مسرت اور ایام عید کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ ان دنوں کے نام ہر دور میں مختلف ہوتے رہے ہیں۔ لیکن تمام تہذیبوں میں ایک ہی جذبہ کارفرما رہا ہے، اور وہ یہ کہ سال میں کوئی دن ایسا ضرور ہونا چاہئے کہ جس میں زندگی کے مختلف تفکرات پر خاک ڈال کر ہر قسم کی پریشانیوں اور مصائب و آلام سے بے نیاز ہو کر جشن منایا جائے۔ خوشیاں کی جائیں لہو ولعب کھیل کود سے ہم آغوش و ہم کنار ہوا جائے۔

وجوہات مختلفہ

انسانی طبیعت کے ساتھ ساتھ ضرورت اور حاجت، ایجاد و اختراعات کی ماں ہے، اس لئے ہر انسان اپنے افعال و اعمال کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ اور کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تلاش کر لیتا ہے۔ خواہ وہ اعمال و افعال حسنہ ہوں یا قبیحہ۔ جب انسانوں نے خوشی منانے کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اور اس احساس مسرت شادمانی نے قوت پکڑی تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ ایجاد کر لی گئی۔ کسی نے بتوں کی پوجا کا بہانہ بنایا، اور ایک دن مقرر کر لیا۔ کسی نے دشمن پر فتح کا دن اور کسی نے بادشاہ یا سردار کی پیدائش کے دن کو وجہ مسرت قرار دیا، اور ایک تاریخ خوشی کی مقرر کر لی کسی قوم نے حساب شمسی کا بہانہ بنایا اور شروع سال کو معظم و محترم قرار دے کر ایک دن عید کا مقرر کر لیا۔ کسی قوم نے گنگا کے نہان کو بہانہ بنایا اور میلہ منایا۔ کوئی قوم موسم بہار اور موسم خزاں کی آڑ لے کر ایک دن منا بیٹھی۔

غرض ہر قوم نے جشن مسرت منانے کے لئے ایک نہ ایک وجہ کو اہمیت دی اور اسی وجہ کو بنیاد قرار دے کر اپنی مسرت کا سامان مہیا کر لیا اور چونکہ ہر قوم نے اس قسم کے تیوہاروں اور ایام مسرت کے لئے مختلف وجوہات کو بنیاد اور سبب قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم کی عیدوں میں مختلف افعال و اعمال کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ کسی تہذیب میں بتوں کے سامنے عمدہ عمدہ کھانے رکھ کر ناچ اور گا نا گیا گیا۔ کسی تہذیب میں عید کے دن بتوں کے سامنے غلاموں کو ذبح کیا گیا اور بعض مواقع پر انسان کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں تک پہنچا دی گئی۔ کسی تہذیب میں اس جذبہ کو شراب اور زنا کی کثرت کے ساتھ پورا کیا گیا۔ کسی تہذیب نے زندہ انسانوں کو آگ میں جلا کر اور درندوں سے پھڑوا کر دل کو خوش کیا۔ اور طبیعت کے بہلانے کا سامان مہیا کیا۔ کسی تہذیب میں آگ جلا کر اور آگ کے سامنے اچھل کود کر خوشی منائی گئی۔ کسی تہذیب میں مختلف قصیدے پڑھ کر اور شاعری کے جوہر دکھا کر مسرت و شادمانی کے ارمان پورے کئے گئے۔ کہیں عورتوں اور مردوں نے یکجا جمع ہو کر باہم ایک دوسرے سے فحش مذاق کر کے اس دن میں دل لگی کا سامان مہیا کیا اور کسی تہذیب میں آگ جلا کر گھی اور مختلف خوشبوؤں سے تواضع کی۔ پھر شراب کا دور چلا۔ مستی کا مظاہرہ کیا گیا۔ بعض قوموں نے صرف ایک دن یا دو دن نہیں بلکہ مسلسل آٹھ دس دن تک اسی قسم کی زندگی بسر کرنے کا نام ایام عید رکھا۔ کسی تہذیب میں سورج کی پوجا اور کواکب کی پرستش ہی کو دل کے خوش کرنے کا سامان سمجھا گیا۔ کہیں دریاؤں میں ڈبکی اور غوطہ لگانے ہی کو میلہ قرار دیا گیا۔ کسی قوم نے بہت سے چراغ اور چھوٹے چھوٹے دیولے جلا کر دیوالی منائی اور تین دن کا میلہ بنایا۔ ہولی کے موقع پر مختلف رنگوں کی پچکاریوں سے کھیلنے گلال ملنے اور شراب پی کر یاروں میں اچھلنے کودنے کا

نام تیوہار رکھ لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جس قوم سے واسطہ پڑا تھا۔ ان کی عید یہی تھی کہ بتوں اور کواکب کی فرضی تصاویر کے سامنے پُر تکلف کھانے رکھدیئے جائیں، اور خود جنگل میں جاکر منگل منائیں۔ کثرت سے شراب پئیں۔ بلا امتیاز بکثرت زنا کریں۔ گائیں بجائیں اور واپس آکر اس کھانے کو تبرک سمجھ کر کھائیں جو بتوں کے سامنے رکھدیئے گئے تھے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام کی قوم کا یوم الزینتہ یا یوم العید یہی تھا کہ صبح کو شہر کے تمام باشندے کھلے میدان میں جمع ہوں اور بادشاہ کی پوجا کریں۔ اس کے سامنے ہر قسم کے کمال دکھائیں۔ بادشاہ سے انعام واکرام لیں۔ اور شام کو گھر چلے آئیں۔ غرض ہر قوم کی عید کا نیا ڈھنگ اور ہر تہذیب کے جشن مسرت کا نیا رنگ تھا۔ ہر قوم نے اپنے مذاق اور اپنی دلچسپی کے سامان اپنے نقطہ نگاہ سے جمع کئے تھے۔ میرا منشا اس وقت یہ نہیں ہے کہ ان سب پر تنقید کی جائے یا ان کی برائیوں اور بھلائیوں سے بحث کی جائے۔ بلکہ صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ تفریح کا جذبہ ایک فطری اور نیچرل جذبہ ہے، اور اس جذبہ فطری کو پورا کرنے کے لئے ہر زمانے کے لوگوں نے سال میں ایک دن یا دو دن یا اس سے کم و بیش کوئی نہ کوئی دن مقرر کیا ہے۔ ہر دور میں ان ایام مسرت کے مختلف نام رکھے گئے۔ اور ان دنوں میں دل بہلانے طبیعت کو خوش کرنے کے لئے تفریح کے مختلف سامان کئے جاتے رہے ہیں۔

اس تمام تمہید سے صرف اتنا ہی مقصد ہے اور تاریخی روشنی میں ناظرین کو یہ بتلانا ہے کہ انسانی تہذیب کی تاریخ کے مختلف صفحات سال بھر چند ایسے دنوں کی گواہی دیتے ہیں۔ جن کو قوم نے اپنے دل بہلانے اور طبیعت کو خوش

کرنے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

اسلامی تہذیب کا دور

اسلام جو ایک فطری اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ مذہب ہے۔ جب اس کی دعوت و اشاعت پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا گیا، اور آپ کی پیروی کا زمانہ شروع ہوا۔ اور آپ نے اس تعلیم سے لوگوں کو آشنا بنایا۔ جو وقتاً فوقتاً انبیاء و مرسلین کے ذریعہ دنیا میں آتی رہی ہے، اور جو ایک مکمل قانون کی شکل میں قیامت تک باقی رہنے والی تھی تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر نظر ڈالی اور آپ نے یہ اندازہ لگا لیا کہ تفریح طبع سے انسان کو روکنا، اور مذاق و مزاح کے تمام دروازوں کو بند کر دینا انسان کے لئے تکلیف مالا یطاق ہو گا۔ جب ہر جاندار کی جبلت کا موضوع یہی ہے کہ وہ کبھی کبھی معیشت اور زندگانی کے مدوجزر سے فارغ ہو کر آرام وسکون تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اور سوسائٹی میں بیٹھ کر ہنستے بولنے کا خوگر ہے۔ جس طرح مجبوراً ہر قسم کے غم و آلام کو برداشت کرتا ہے۔ اسی طرح ہنس کھیل کر دل کو بہلانا چاہتا ہے اور دل کو خوش کرنے کی فکر بھی کرتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے مذاق و مزاح کو ناجائز قرار دے دیتے۔ تو یہ کہا جاتا کہ اسلام نہایت خشک مذہب ہے کہ اس میں نہ کسی قسم کی تفریح کی اجازت ہے اور نہ کسی قسم کی دل لگی اور خوش طبعی کو دخل ہے سا اسلام انسان کو اس کی فطرت کے خلاف مجبور کرنے کا نام ہے۔ انسان کی فطرت تو یہ ہے دل لگی اور خوش طبعی کی جائے اور اسلام اس کو حرام کہتا ہے۔

مزاح کی اجازت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش طبعی کو حرام نہیں کیا بلکہ فطرت انسانی کے اس جذبہ کا احترام کرتے ہوئے خوش طبعی اور مزاح کی اس شرط کے ساتھ اجازت دیدی کہ خوش طبعی کو کذب اور فحش کی آلائش سے محفوظ رکھا جائے، اور ایسا مذاق اور ایسی خوش طبعی کی جاسکتی ہے جس میں فحش اور کذب نہ ہو۔ بعض مواقع پر خود بھی مزاح فرمایا تاکہ اُمت اس کے جواز و اباحت کو سمجھ لے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح اور خوش طبعی کے سلسلہ میں اکثر واقعات مشہور ہیں کسی بڑھیا عورت کا یہ دریافت کرنا کہ میں جنت میں جاؤں گی یا نہیں، اور آپ کا یہ فرمانا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائے گی۔ اور پھر اس کی پریشانی کو دیکھکر یہ فرمانا کہ کوئی بڑھیا بڑھاپے کی حالت میں نجائے گی بلکہ جوان ہو کر جائے گی۔ یہ مزاح تھا۔ اسی طرح کسی شخص کے اونٹ مانگنے پر یہ فرمانا کہ تم کو اونٹنی کا بچہ دیا جائے گا۔ اور اس کے اصرار پر یہ فرمانا کہ اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی مزاح تھا۔ اسی سلسلہ میں کھجور والے کا واقعہ بھی مشہور ہے جس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا۔ اس غلام کا کون خریدار ہے۔ اور جب اُس نے کہا کہ یارسول اللہ میں تو بڑا کھوٹا اور نقصان کا مال ہوں اور اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ خدا کی قسم تو کھوٹا مال نہیں ہے۔ اور پھر غلام کی توجیہہ میں یہ فرمانا کہ ہم سب اللہ تعالےٰ کے غلام ہیں۔ یہ تمام واقعات مذاق اور خوش طبعی پر مشتمل ہیں۔

حضرت عُمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما

لطائف و ظرائف کی بعض کتابوں میں میری نظر سے گذرا ہے کہ ایک دفعہ

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔ ایک طبق میں سے کھجوریں کھا رہے تھے ۔ عمر بن خطاب رضؓ نے کھجوریں کھاتے کھاتے یہ مذاق شروع کیا کہ جو کھجور کھاتے اس کی گٹھلی حضرت عثمان رضؓ کی گٹھلیوں میں ملا دیتے ۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو بطور مزاح حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا:

اَنْتَ اَکَّالٌ یَا عُثْمَانُ ۔ چونکہ حضرت عمر رضؓ کی گٹھلیاں بھی حضرت عثمان رضؓ کی گٹھلیوں میں شامل تھیں اس لئے یہ مذاق کیا گیا ۔ حضرت عثمان رضؓ نے برجستہ جواب میں کہا بے شک میں بہت کھانے والا ہوں ۔ لیکن آپ تو کھجوروں کے ساتھ گٹھلیاں بھی کھا گئے ۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے سامنے گٹھلیاں نہ تھیں ۔ اور اپنی گٹھلیاں حضرت عثمانؓ کی گٹھلیوں میں ملا چکے تھے ، اسلئے خاموش ہو جانا پڑا ۔

حضرت علیؓ کا واقعہ

اسی طرح حضرت علی رضؓ کا واقعہ مشہور ہے ۔ ایک دن آپ دو آدمیوں کے درمیان چل رہے تھے ۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا چھوٹا قد تھا ۔ اس لئے وہ دونوں آدمی جو آپ کے دائیں بائیں تھے ۔ ان کے قد آپ کے قد سے نکلے ہوئے تھے ۔ ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ اے علیؓ تم ہمارے درمیان ایسے ہو جیسے لنا کا نون ۔ لنا لکھنے میں ۔ چونکہ نون کا شوشہ بیچ میں ہوتا ہے ۔ اسلئے علی پر لنا کے نون کی تشبیہ چسپاں ہو گئی ۔ لیکن حضرت علی رضؓ نے فوراً اس مذاق کا جواب دیا ۔ فرمایا بیشک میں ن ہوں ۔ لیکن تم دونوں میری وجہ سے لنا بنے ہوئے ہو ۔ اگر مجھ کو بیچ میں سے نکال دو تو تم "لا" رہ جاؤ گے لا کے معنی ہیں نفی تو گویا تمہارا وجود ہی میرے دم سے ہے ۔ اگر میں نہ ہوں تو تم نفی رہ جاؤ ۔ یہ ایسا

ے اے عثمان تم بڑے کھانے والے ہو ۔

جواب تھا جس کو سُن کر اعتراض کرنے والا ساکت ہو گیا۔

خوش طبعی کا ایک اور واقعہ

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طبیعت ناساز تھی حضرت صدیق اکبرؓ فاروق اعظم رضؓ اور عثمان ذی النورینؓ تینوں حضرات مل کر حضرت علیؓ کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضؓ ان حضرات کی تشریف آوری سے بہت مسرور ہوئے اور اس خیال سے مکان میں تشریف لے گئے کہ مہمانوں کی تواضع کے لئے کچھ پیش کیا جائے۔ گھر میں جا کر معلوم ہوا کہ صرف شہد موجود ہے آپ نہایت بے تکلفی کے ساتھ شہد ایک طباق میں نکال کر لے آئے۔ اتفاق سے شہد میں ایک بال پڑ گیا۔ جب ان معزز مہمانوں کے سامنے شہد لا کر رکھا گیا تو طباق کی سفیدی۔ شہد کی شیرینی اور اُس بال کی باریکی پر طبع آزمائی شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:۔

الدّین[۱] انور من الطشت وذکر اللہ احلٰی من العسل والشریعۃ ادقّ من الشعر۔

یہ سُن کر حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا:۔

القرآن[۲] انور من الطشت وقرأتھا احلٰی من العسل وتفسیرھا ادق من الشعر۔

---

[۱] یعنی دین طباق سے زیادہ نورانی ہے، اللہ کا ذکر شہد سے زیادہ شیریں ہے اور شریعت بال سے زیادہ باریک ہے۔

[۲] یعنی قرآن طباق سے زیادہ نورانی ہے اور اس کی قرأت شہد سے زیادہ شیریں اور اس کی تفسیر بال سے زیادہ باریک ہے۔

یہ سُن کر حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا:۔

الجنۃ[1] انور من الطشت ونعیمھا احلیٰ من العسل والصراط ادقّ من الشعر۔

ان تینوں حضرات کی طبع آزمائی کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا

الضیف[2] انور من الطشت وکلام الضیف احلیٰ من العسل وقلبہ ادقّ من الشعر۔

اس مذاق اور دل لگی کے بعد یہ صحبت ختم ہو گئی۔ اس ہی جیسی اور صدہا مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے فطرت انسانی کا خیر مقدم کیا ہے، اور جذبات تفریحی کا احترام کرتے ہوئے خوش طبعی یا ہمی مزاح اور باہمی دل لگی کی اجازت دیدی ہے۔ منھ کو گونڈ لگا کر بیٹھے رہنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس قسم کی عام مذاقیہ اور مسخرے پن کی زندگی اختیار کر لینے سے منع فرمایا ہے بالخصوص ایسے ایسے بڈھوں کے لئے وعید فرمائی ہے۔ جو ہنسنے ہنسانے کو پیشہ بنالیں اور اپنے مسخرے پن سے لوگوں کو ہنساتے پھریں۔ ایسا مذاق جو لوگوں کی دل آزاری کا باعث ہو یا فحش اور بدگوئی تک پہونچتا ہو یا کسی پر طعن اور بُرے القاب کو مستلزم ہو۔ یا اس قسم کا مذاق جس میں کسی بات کو کسی کی چڑ بنا دیا جائے یا کسی پر بیہودہ پھبتی کسی جائے۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر فحاشی اور بدمذاق

---

[1] یعنی جنت طباق سے زیادہ نورانی ہے، اور اس کی نعمتیں شہد سے زیادہ شیریں اور دوزخ کا پُل جس کو پُل صراط کہتے ہیں بال سے زیادہ باریک ہے۔

[2] یعنی مہمان کا چہرہ طباق سے زیادہ نورانی ہے اور اس کی باتیں شہد سے زیادہ شیریں ہیں۔ اور اس کا دل بال سے زیادہ باریک ہے۔

لوگوں کی عادت ہے۔ اس قسم کی چیزوں کو شریعت مقدسہ نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ باقی رہا کسی سچے واقعہ یا سچی بات سے دل بہلانے کو شریعت نے منع نہیں کیا۔ اور سوسائٹی میں مل بیٹھنے اور باہمی خوش طبعی کو جائز رکھنے میں فطرت انسانی کے احترام کا پورا لحاظ کیا ہے۔ کسی نے دریافت کیا یارسول اللہ کبھی ہم لوگ اپنے مکان کے آگے، گلی میں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور آپس میں بیٹھ کر بات چیت کر لیا کرتے ہیں۔ تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں ایسا کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ راستہ کا حق ادا کر دیا کرو۔ سائل نے عرض کیا یارسول اللہ راستہ کا حق کیا ہے۔ فرمایا کہ گلی میں اس طرح نہ بیٹھو کہ راہ گیروں پر راستہ تنگ ہو جائے۔ اور کسی کی بہو بیٹی کو نہ چھیڑو۔ اگر کوئی اجنبی راستہ دریافت کرے تو اس کو راستہ بتا دو۔ جہاں تک انفرادی یا چند اشخاص کی تفریح کا سوال تھا۔ وہ ان واقعات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

اسلامی اجتماعات

فطرت انسانی کا جذبہ تفریح صرف اس پر قانع نہ تھا کہ دو آدمی یا دو سے زائد چند اشخاص ایک جگہ مل کر دل بہلا لیں۔ بلکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ بہت سے آدمی ایک جگہ جمع ہو کر جشن منائیں اور عیش و طرب کی زندگی بسر کریں۔ اور اس جشن مسرت کے لئے کم از کم ایک دن یا ایک دن سے زیادہ مقرر کریں۔ چنانچہ اسی جذبہ کی کارفرمائی کا یہ نتیجہ تھا کہ مختلف قوموں میں خواہشات لہو و لعب کو پورا کرنے کی غرض سے بڑے بڑے اجتماع ہوتے تھے۔

اور ان اجتماعات میں ہر قسم کی تفریحات کا سامان جمع کیا جاتا تھا۔ دل کھول کر شرابیں پی جاتی تھیں۔ زنا بکثرت ہوتا تھا۔ بائیوں کی پوجا بڑے ٹھاٹھ سے

ہوتی تھی۔ یا بادشاہ پرستی کا مظاہرہ ہوتا تھا یا ناچ رنگ سے مجالس کو آراستہ کیا جاتا تھا۔ غرض تہذب دنیا جس طرح چاہتی تھی اپنی تفریح کا سامان کیا کرتی تھی۔ شریعت اسلامی نے ان اجتماعات اور اُن کے اسباب و علل پر بھی ایک عمیق نظر ڈالی۔ اور جس جذبہ کے ماتحت یہ سب کچھ ہوتا تھا اس پر بھی اچھی طرح غور کیا۔ اور آخر میں خدائی تہذیب کے سب سے بڑے علمبردار سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ جذبہ فی حد ذاتہ بُرا نہیں ہے۔ کسی قوم کا بڑی تعداد میں ایک جگہ جمع ہونا بُرا نہیں ہے۔ اجتماعی زندگی میں بڑے بڑے منافع اور فوائد ہیں۔ باہمی تبادلہ خیالات اور قوموں کی اقتصادیات کے لئے مختلف مواقع پر اجتماعات بہت ضروری ہیں۔ اس لئے اجتماعات کی اجازت دیدی گئی۔ لیکن ان اجتماعات میں جو جو غلط کاریاں اور ننگ انسانیت افعال ہوتے تھے ان کو ممنوع قرار دیدیا۔ ان افعال قبیحہ کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ اور نسل انسانی کو بتایا گیا کہ اسلام دنیا سے تخریب اخلاق افعال کو مٹانے آیا ہے۔ اسلام ہی خدائی مذہب ہے وہ ہر قسم کی بد تہذیبی اور فحش روایات کو مٹا کر افعال حسنہ سے بنی نوع انسان کو آراستہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اجتماع کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن ان اجتماعات میں نہ تو غیر اللہ کی پرستش کی جائے گی، نہ شراب و زنا کی اجازت دی جائے گی۔ نہ بتوں پر انسان کو قربان کیا جائے گا۔ نہ کوئی فحش اور گندی رسم ادا کی جائے گی۔ نہ بادشاہ پرستی کا مظاہرہ ہوگا۔

نہ گنگا اور جمنا میں ڈبکیاں لگائی جائیں گی، نہ موسموں کی تبدیلی کا نام لے کر سورج کی پوجا کی جائے گی، نہ ہولی کے تیوہار کی طرح آگ روغن کی جلائی جائے گی اور نہ آگ کی پوجا کی جائے گی۔ نہ گلال ملا جائے گا نہ رنگ کی پچکاریوں سے انسانوں کے کپڑے رنگے جائیں گے، نہ ڈھولکی گلے میں ڈال کر ناچا جائے گا نہ کسی کی

بہو بیٹی کو چھیڑا جائے گا۔ نہ ایک دوسرے کو گالی دی جائے گی۔ نہ کوئی کسی پر پھبتی کسے گا۔ بلکہ کوئی ایسا فعل جو انسانی تہذیب کے لئے ننگ وعار ہو۔ ان اجتماعات میں نہ کیا جائے گا۔ اور نہ افعال شنیعہ اور نہ اعمال قبیحہ کے ارتکاب کی اجازت ہوگی بلکہ اسلامی اجتماعات نہایت شائستہ و مہذب ہوں گے۔ اور ان اجتماعات میں صرف خدا وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور اُس کی پرستش کا مظاہرہ ہوگا۔ اکل و شرب کی اجازت ہوگی۔ لیکن حدِّ اعتدال کے ساتھ اور حلال کے ساتھ لہو و لعب کی اجازت ہوگی مگر صرف اپنی حلال بیوی کے ساتھ۔

مدینہ کی دو عیدیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ والوں کو دیکھا کہ وہ سال میں دو دن عید مناتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں دن کیسے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم ان دنوں میں لہو و لعب کرتے ہیں۔ یہ دو دن ہماری مسرت اور خوشی کے دن ہیں۔ ہم ان دنوں میں کھیلتے کودتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَبْدَلَکُمْ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا یَوْمَ الْاَضْحٰی وَ یَوْمَ الْفِطْرِ۔[1]

نوروز اور مہرجان

مدینہ کے لوگ جن دنوں میں عید مناتے تھے وہ یا تو باہمی فتوحات کے خیال

[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے اس دور جاہلیت کے دنوں کی بجائے تم کو اور دو دن عطا کر دیئے ہیں ان دونوں کے بدلے میں تم کو اللہ تعالیٰ نے یوم الاضحیٰ و یوم الفطر عطا فرمائے ہیں۔

سے دو دن مقرر کئے تھے، اور یا نوروز اور مہرجان کے دو دن تھے۔ جو غالباً عراق یا ایران کی دیکھا دیکھی اختیار کر لئے تھے۔ نوروز کو ان قوموں میں وہی حیثیت حاصل تھی جو محرم کو مسلمانوں میں حاصل ہے۔ یعنی شمسی حساب سے سال کا پہلا دن نوروز ہوتا تھا۔ یعنی جس دن سورج برج حمل میں منتقل ہوتا ہے وہ نوروز تھا، اُس دن کو اکب پرست سورج کی پوجا کرتے تھے اور اس دن عید مناتے تھے۔

مصری تہذیب میں بھی یہ دن قابل عظمت شمار کیا جاتا تھا، اور بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فرعون نے جس دن موسیٰؑ کا مقابلہ کیا ہے۔ وہ یہی دن تھا اور اسی دن کو قرآن میں یوم الزینتہ کہا گیا ہے۔ شروع سال کے پہلے دن کو نوروز کہا جاتا تھا۔ اہل عرب نے اس کو معرّب کر لیا تھا۔ اور بجائے نوروز کے نیروز کہا کرتے تھے۔ اسی طرح مہرجان اُس دن کا نام ہے جس دن سورج میزان میں منتقل ہوتا ہے۔ برج حمل کا پہلا دن نوروز اور برج میزان کا پہلا دن مہرجان کے نام سے مشہور تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب بھی اُن دنوں میں عید منایا کرتے تھے، اگرچہ عجمیوں کی عید سے ان کی عید مختلف تھی۔ اور رسومات سخریہ میں فرق تھا لیکن بہرحال یہ دونوں دن ان کے نزدیک معظم اور لہو ولعب کے دن سمجھے جاتے تھے۔ موسم کے اعتبار سے یہ دونوں دن بہترین ہوتے ہیں۔ موسم معتدل ہوتا ہے نہ زیادہ گرمی نہ زیادہ سردی۔ ہوا نہ بہت سرد اور نہ بہت گرم، اہل عجم نے موسم کی تبدیلی کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ دن مقرر کئے ہوں گے لیکن عرب محض تقلیدی طور پر ان دنوں کو منانے لگے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان الفاظ میں اقرار کیا۔ کنا نلعب فیھما فی الجاھلیۃ[۵] ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۵] ہم ان دونوں دنوں میں جاہلیت کے زمانہ میں کھیلا کرتے تھے۔

نے ان دونوں دنوں کی حرمت و تعظیم اور ان کے کھیل کود، اور لہو و لعب کو ممنوع قرار دیا۔ اور ان کی جگہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر کا اعلان کیا۔ اہل مکہ اگرچہ اہل مدینہ کی طرح ان دنوں کو نہیں مناتے تھے۔ لیکن انھوں نے کعبہ میں داخل ہونے کے بعد چند دن مقرر کر رکھے تھے، اور وہ ان دنوں کو عید سمجھتے تھے۔ یہود کے متعلق مشہور ہے کہ وہ یوم عاشورہ کو عید سمجھتے تھے، اور نصاریٰ ولادت مسیحؑ یا رفع الی السماء کے دن کو عید مناتے تھے۔ بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اعیاد مروجہ کو منسوخ کر دیا۔ اور اُن کی جگہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا تقرر فرما دیا۔

عیدُ الفِطر

اگرچہ اسلامی شریعت میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ اور بھی بعض اجتماعات ہیں۔ مثلاً ایام حج کا اجتماع، جمعہ کا اجتماع۔ صلوٰۃ خسوف و کسوف کا اجتماع، استسقاء کا اجتماع وغیرہ لیکن یہ مضمون چونکہ عید نمبر کے لئے لکھا جا رہا ہے۔ اس لئے اس مضمون میں بجز عیدین کے دوسرے اجتماعات سے بحث نہیں کی جائے گی۔ بلکہ عیدین میں بھی صرف عید الفطر کی حقیقت اور اس کی نوعیت سے بحث کی جائے گی۔ چونکہ دونوں عیدوں کے اکثر احکام باہم ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ ضمناً عید الاضحیٰ کا بھی ذکر آجائے۔ لیکن مقصود بالذات اس مضمون میں صرف عید الفطر ہے، اگرچہ اہل علم کے نزدیک یہ امر بھی واضح ہے کہ عیدین میں عید الاضحیٰ کا مرتبہ بڑا ہے۔ اور اُس کا نام عید اکبر ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی عید الاضحیٰ کو عید الفطر پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور یہ تقدیم ہی عید الاضحیٰ کے عظیم المرتبہ ہونے پر مشعر ہے۔

لیکن مضمون کی غرض چونکہ عید الفطر پر روشنی ڈالنی ہے۔ اس لئے باوجود عید الاضحیٰ کی عظمت و بزرگی کے اس کے ذکر کو ترک کر دیا گیا ہے۔ تاکہ خلط مبحث نہ ہو جائے۔ اِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدًا[۱]۔

عید کے دن انصار کی لڑکیاں دف بجا کر مجاہدین اسلام کی تعریف میں کچھ گا رہی تھیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑکا۔ حضرت صدیق رضؓ کے ڈانٹنے پر وہ لڑکیاں خاموش ہو گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر قوم کی ایک عید ہے، اور آج ہماری عید ہے۔ سرکار دو عالمؐ کے اس فقرے نے اس امر کو واضح کر دیا کہ دُنیا کی تمام قوموں میں عید منانے کا دستور چلا آتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو قومیں نبوت کی روشنی سے محروم ہیں۔ اُن کی عید کا تو حال وہی ہے جو میں نے ابھی عرض کیا ہے۔ اور اگر اس قسم کی عیدوں کی مزید تحقیق منظور ہو تو آج بھی غیر مسلم قوموں کے میلے اور تیوہاروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کی جا سکتی ہے۔

ان تیوہاروں کے مقابلہ میں ایک تیوہار یا عید وہ ہے جو مسلمانوں کے ہاں عید کے نام سے مشہور ہے۔

انبیائے سابقین کی عید

اس سے پیشتر کہ شریعت محمدیہ کی عید الفطر کا ذکر کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کی عیدوں پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ اگرچہ اُمت محمدیہ کی طرح دوسرے پیغمبروں کی امتوں میں عید کا یہ اہتمام اور یہ رونق اور چہل پہل نہیں تھی۔ جو اس امت میں پائی جاتی ہے

---

[۱] ہر قوم کے لئے ایک عید ہے۔

لیکن کتب سیر کے مطالعہ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ بعض انبیاء کی اُمتیں مختلف مناسبتوں سے بعض ایام میں عید منایا کرتی تھیں، اور ان اُمتوں نے اللہ تعالےٰ کے شکریہ کے لئے مخصوص ایام مقرر کر رکھے تھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اُمت نے اُس دن کو عید مقرر کیا تھا۔ جس دن ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ سے نجات پائی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم اُس دن عید مناتی تھی جس دن حواریوں کی درخواست کے موافق آسمان سے مائدہ نازل ہوا تھا۔ جس کا تذکرہ سورۂ مائدہ میں ہے قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کا قول بھی نقل کیا ہے۔

تکون لنا عیداً لاوّلنا واٰخرنا واٰیۃ منک[1]۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اس دن کو عید سمجھتی تھی جس دن یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ سے نجات حاصل کی تھی، اور اپنے مفوضہ عہدے کا باعزت چارج لیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد اس روز کو عید سمجھتے تھے جس دن حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی تھی، اگرچہ یہ عیدیں کچھ زیادہ عرصہ تک رائج نہیں رہیں۔ اور قوموں کے انقلاب نے یا تو بالکل ان عیدوں کو فراموش کر دیا۔ یا ان کی صورتیں بالکل مسخ کر دی گئیں۔

عید الفطر میں کیا ہوتا ہے؟

میں نے ابتداً ان تمام عیدوں کا مختصراً تذکرہ کر دیا تھا۔ جو آج تک غیر مسلم قومیں مناتی ہیں یا اس وقت بھی تیوہار اور میلوں کے نام سے مناتی رہتی ہیں۔

---

[1] یعنی اگر ہم پر مائدہ نازل ہو گیا تو یہ ہمارے لئے اور آئندہ ہماری نسلوں کے لئے عید کا دن شمار کیا جائے گا۔

اور میرا مقصد اس تطویل سے صرف یہ تھا کہ مسلمان اپنی عید پر نظر ڈالتے وقت اس امر کا خیال رکھیں کہ یہ کس قدر اونچی تہذیب کے مالک ہیں۔ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کتنی بلند پایہ ہے کہ اس کا مقابلہ دنیا کی دوسری قومیں نہیں کر سکتیں، چہ جائیکہ اس کی عبادت اور معاملات کا مقابلہ۔ مسلمانوں کی عید میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ظاہر ہے مسلمان صبح اُٹھ کر غسل کرتے ہیں۔ حسب توفیق نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ خوشبو لگا کر عیدگاہ چلے جاتے ہیں۔ راستہ میں کسی قسم کا گانا بجانا یا گالی بکنا یا کوئی بیہودہ مذاق نہیں کرتے، بلکہ تکبیر پڑھتے ہوئے جاتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:-

اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر لا إلٰہ إلا اللّٰہ، واللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، وللّٰہ الحمد۔

تکبیر پڑھتے ہوئے متانت و سنجیدگی کے ساتھ عیدگاہ کی راہ طے کرتے ہیں عیدگاہ پہونچ کر خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ اور امام کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ امام کے آنے پر صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی اقتدا میں دو رکعتیں ادا کرتے ہیں۔ امام کی ایک اللہ اکبر پر لاکھوں انسان خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے دوہرے ہو جاتے ہیں، اور اپنی کمروں کو جھکا دیتے ہیں۔ اور اپنے مالک کی پاکی کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور سبحان ربی العظیم کہتے رہتے ہیں۔ امام جب رکوع سے کھڑا ہوتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اس کی اللہ اکبر کے ساتھ لاکھوں انسان سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ لاکھوں انسانوں کی پیشانیاں خدائے قدوس کے سامنے زمین پر رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور ہر شخص سبحان ربی الاعلیٰ کہتا رہتا ہے۔ اور جب امام سجدہ سے سر اُٹھاتا ہے تو تمام مقتدی اس کی اقتدا کرتے ہیں۔ نماز ختم ہونے کے بعد امام خطبہ پڑھتا

ہے۔ خطبہ میں عید الفطر کے احکام بیان کرتا ہے۔ لوگ خاموشی کے ساتھ امام کا خطبہ سنتے رہتے ہیں۔ خطبہ سے فارغ ہو کر تمام مسلمان اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔ آتے وقت جس راستے سے آئے تھے، واپسی کے وقت دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ آنے جانے کا ایک راستہ نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کی عید کا یہ مختصر خاکہ ہے۔ بتایئے اتنا مہذب اتنا سنجیدہ اتنا متین۔ اور اللہ جل جلالہ کی عبادت سے اور اس کے سامنے اپنی ذلت و عاجزی کے اعتراف سے بڑھ کر آج دنیا میں کسی قوم کا تیوہار یا کسی قوم کی عید ہے۔ آج کل یورپ بڑی تہذیب اور شائستگی کا مدعی ہے ہندوستان کی غیر مسلم اقوام بھی اپنے مذہب کا ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہیں۔ لیکن اس شان کی عید اور اس شان کا یوم مسرت اور اس مرتبہ کا جشن آج تک کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ اس تیوہار میں نہ شراب ہے، نہ گانا، نہ گالی گلوج، نہ مار پیٹ، نہ گلال، نہ زنگار رنگ کی پچکاریاں، نہ ڈھولکی نہ ناچ، نہ آگ کی پرستش، نہ آفتاب کی پوجا، ہر قسم کی گندگی اور آلائش سے پاک، عید اگر کسی کی ہے تو وہ مسلمانوں کی عید ہے۔ اس عید پر جتنا فخر کیا جائے وہ کم ہے۔ یہ ہے خدائے پاک کا دین، اور یہ ہے خدا کے مقدس انسانوں کی تہذیب۔

عید کے فضائل

عید الفطر کا مختصر خاکہ پیش کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دن کی اہمیت اور اس دن کے فضائل۔ اس دن بے حساب مغفرت اور بے شمار ملائکہ کا ہجوم روزہ داروں پر شفقت و کرم کا جو ذکر احادیث نبوی میں آتا ہے نقل کر دیا جائے۔ مسلمان اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ یہ دن فسق و فجور

کا دن نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کے شکر، اور اس کے احسانات و انعامات کے اعتراف کا دن ہے۔ اس دن کسی ایسی حرکت کا وقوع نہ ہونا چاہیئے۔ جو اسلامی تہذیب اور دین الٰہی کے خلاف ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔

زینوا العیدین بالتھلیل والتکبیر والتحمید والتقدیس[1]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ شوال کی پہلی تاریخ اور ذی الحجہ کی دسویں۔ گیارھویں تاریخوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

صماء بنت بسر رضؓ کی روایت میں ہے کہ اگر ان دنوں میں کوئی روزہ رکھ لے تو اس کو افطار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔

عبداللہ بن سائب رضؓ کی روایت میں ہے کہ تم لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں دو دن (نیروز، اور مہرجان) عید کے مقرر کر رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دنوں کے بجائے تم کو اور دو دن دیئے ہیں۔ ایک عید الفطر اور ایک عید الاضحیٰ۔

حضرت ابی امامہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ عید الفطر تو نام ہے۔ صدقہ فطر ادا کرنے اور نماز پڑھنے کا اور عید الاضحیٰ نام ہے قربانی کرنے اور نماز پڑھنے کا۔

صدقہ فطر کی مقدار پونے دو سیر گیہوں یا آٹا گیہوں کا، جو نماز سے پیشتر مساکین پر صدقہ کیا جائے۔ یہ اس بچہ کی طرف سے بھی دیا جائے جو عید کے دن صبح سے پہلے پیدا ہو جائے۔

عمرۃ بنت رواحہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن اللہ تعالےٰ زمین پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے۔ تم کو چاہیئے کہ تم ان دنوں میں

---

[1] عید کے دنوں میں بکثرت لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ، والحمد للہ پڑھ کر تسبیح و تقدیس اور تکبیر و تحمید کے ساتھ عید کے دنوں کو زینت دیا کرو۔

گھر سے باہر نکلا کرو۔ تاکہ اللہ کی رحمت کا نفع تم کو حاصل ہو۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے۔ مَنْ[لہ] اقام لیلتی العید بن محتسبًا للہ تعالیٰ لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب۔

حضرت انس رضؓ کی روایت میں بجائے اقام کے احیا کے الفاظ ہیں۔ یعنی جس شخص نے عیدین کے دنوں میں راتوں کو زندہ رکھا اور ان میں عبادت کی۔ اس روایت میں شعبان کی پندرھویں شب کا ذکر بھی ہے۔ یعنی عیدین کی دو راتیں، اور ایک پندرھویں شعبان کی رات کو جس نے زندہ رکھا تو قیامت میں اس کا دل زندہ ہوگا۔

ابن کردوس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جو لوگ مدینہ سے دور ہیں وہ سواری پر آئیں۔ اور مدینے والے عید کی نماز کو پیدل جائیں۔ نماز کے لئے پیدل آنا بہت بڑے ثواب کی بات ہے۔ نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا کرو۔ کیونکہ ہر شخص صدقہ فطر کا مقروض اور مدیون ہے۔

ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ جب گھر سے چلتے تو عیدگاہ پہنچنے تک تکبیر پڑھتے رہتے تھے۔

صاحب تحفۃ الاخوان نے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص عید کی صبح کو تین سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہٖ پڑھ کر مسلمان مردوں کو بخشے تو اللہ تعالیٰ ہر مردے کی قبر میں ایک ہزار نور داخل کرتا ہے اور جب یہ پڑھنے والا مرتا ہے تو اس کی قبر میں بھی نور داخل کیے جاتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص عید کی نماز سے پیشتر چار سو مرتبہ لا الٰہ

[لہ] جو شخص عیدین کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کرتا ہے تو اس کا دل اس دن زندہ ہوگا جس دن لوگوں کے دل مر چکے ہوں گے یعنی قیامت میں

إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ پڑھ لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو چار سو غلام آزاد کرنے کا ثواب دیتا ہے۔ اور فرشتوں کی ایک تعداد مقرر کر دیتا ہے جو جنت میں اس بندے کے لئے مختلف درختوں کی کاشت کرتے رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں حسبِ ذیل دعا پڑھتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ عِيشَةً تَقِيَّةً وَمِيتَةً سَوِيَّةً وَمَرَدًّا غَيْرَ مُخْزٍ وَلَا فَاضِحٍ ۝ اَللّٰهُمَّ لَا تُهْلِكْنَا فَجَاءَةً وَلَا تَأْخُذْنَا بَغْتَةً وَلَا تُعْجِلْنَا عَنْ حَقٍّ وَلَا وَصِيَّةٍ ۝ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ الْعَفَافَ وَالْغِنٰى وَالتُّقٰى وَالْهُدٰى وَحُسْنَ عَاقِبَةِ الْآخِرَةِ وَالدُّنْيَا وَنَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّقَاقِ وَالرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ فِي دِينِكَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

حضرت انسؓ اور سعید بن اویس انصاریؓ کی روایت میں ہے کہ عید کی صبح کو فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اُمّتِ محمدیہ کی طرف جائیں، چنانچہ وہ بکثرت گلی کوچوں کے ناکوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اُمّتِ محمدیہ کو خطاب کر کے کہتے ہیں، اے اُمّتِ محمدؐ اپنے پروردگار کی طرف نکلو۔ جو تھوڑے کام کو قبول کر لیتا ہے، اور بہت زیادہ مزدوری دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے اپنے رب کی طرف جاؤ، جو کریم ہے۔ جو خود ہی نیک کاموں کی توفیق دیتا ہے اور پھر اُن کاموں میں بہت زیادہ ثواب دیتا ہے، تم کو روزوں کا حکم دیا گیا تھا۔ تم اُس کا حکم بجالائے تم نے اپنے رب کی فرمانبرداری کی، تو اپنی مزدوری

اور اجرت حاصل کرلو۔

جب مسلمان عیدگاہ میں پہونچ جاتے ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں، تو حضرت حق ملائکہ کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:۔ ماجزاءُ الاجیر اذا عمله۔[۱]

ارشاد ہوتا ہے کہ اشہد کم یا ملائکتی انی قد جعلت ثواب صیامھم من شھر رمضان وقیامھم رضائی ومغفرتی۔[۲]

پھر اپنے بندوں کی جانب متوجہ ہوکر فرماتے ہیں۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم آج تم جو کچھ مجھ سے طلب کرو گے، اور اپنی آخرت کے متعلق جو مانگو گے وہ عطا کروں گا۔ اور دنیاوی امور میں سے جو کچھ طلب کرو گے۔ اس پر بھی ہمدردی کے ساتھ توجہ کروں گا۔ مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کروں گا۔ تم کو ذلیل ورسوا نہ کروں گا۔ انصرفوا مغفور الکم قد رضیتمونی ورضیت عنکم۔[۳]

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ینادی منادالا ان ربکم قد غفرلکم فارجعوا راشدین الی رحالکم۔[۴]

---

[۱] بتاؤ؟ جب کوئی مزدور اپنا کام کرے تو اُس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ایسے مزدور کی مزدوری ادا کردی جائے۔

[۲] اے میرے ملائکہ تم گواہ رہو میں نے رمضان کے روزوں اور راتوں کے قیام کے بدلے میں ان کو اپنی رضا اور مغفرت سے نواز دیا۔

[۳] جاؤ اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ تم سب کی مغفرت کردی گئی۔ تم نے مجھ کو راضی کیا اور میں تم سے راضی ہوگیا۔

[۴] ایک پکارنے والا پکارتا ہے۔ خبردار ہوجاؤ تمہاری بخشش کردی گئی۔ جاؤ اپنے گھروں کو کامیابی اور بھلائی کے ساتھ لوٹ جاؤ۔

ایک روایت کا ٹکڑا یہ ہے :- قد غفرت لکم ذنوبکم[1] کلھا۔ زمین والے جس دن کو عید کہتے ہیں۔ آسمانوں میں اس دن کا نام یوم الجائزہ[2] ہے۔

حقیقی عید

اصل عید تو ان حضرات کی ہے جو آج کے دن معاصی سے محفوظ رہے اور جن کے روزے قبول ہو گئے۔

حضرت انس بن مالک رضؓ فرماتے ہیں۔ مومن کی پانچ عیدیں ہیں۔ جس دن مسلمان گناہ سے محفوظ رہے، اور کوئی گناہ اس سے سرزد نہ ہو، وہ اس کی عید کا دن ہے۔ جس دن ایک مسلمان دُنیا سے اپنا ایمان سلامت لیجائے۔ اور مکائد شیطانی سے اس کا ایمان محفوظ رہے، وہ اس کی عید کا دن ہے جس دن ایک مسلمان دوزخ کے پل سے سلامتی کے ساتھ گزر جائے وہ اس کی عید ہے۔

جس دن ایک مسلمان دوزخ سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائے وہ اس کی عید ہے۔ اور پانچویں عید یہ ہے کہ پروردگار عالم کے دیدار اور اُس کی رضا سے بہرہ یاب ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کسی نے عید کے دن دیکھا کہ آپ خشک روٹی کھا رہے ہیں۔ دیکھنے والے نے کہا اے ابوتراب آج عید ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری عید تو اُس دن ہے، جس دن کوئی گناہ نہ ہو۔

---

[1] میں نے تمہاری تمام خطائیں معاف کر دیں۔

[2] یعنی انعام تقسیم ہونے کا دن۔

وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نے عید کے دن روتے ہوئے دیکھ کر کہا ھٰذا یوم السرور والزینۃ[1]۔

حضرت وہبؒ نے فرمایا: ھٰذا یوم السرور والمزینۃ لمن قبل صومہ[2]۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے عید کے دن نہایت پریشان حالت میں دیکھ کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ لوگ عید میں مشغول ہو کر وعید کو بھول گئے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ عید کے فضائل و آداب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لیس العید لمن شراب و اکل انما العید لمن اخلص اللہ العمل

(عید ان لوگوں کی نہیں جو کھانے پینے میں مشغول ہو گئے ہیں عید ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنے اعمال میں خلوص پیدا کیا۔)

لیس العید لمن لبس الجدید انما العید لمن خاف الوعید

(عید اُن کی نہیں جنہوں نے عمدہ لباس سے اپنے کو آراستہ کر لیا عید تو ان کی ہے جو خدا کی وعید اور پکڑ سے ڈر گئے۔)

لیس العید لمن تبخر بالعود انما العید لمن تاب ولا یعود

(عید ان کی نہیں ہے جنہوں نے آج بہت سی خوشبوؤں کا استعمال کیا۔ عید تو ان کی ہے جنہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اس پر قائم رہے)

لیس العید لمن نصب القدور انما العید لمن سعد بالمقدور

---

[1] یہ تو مسرت اور شادمانی کا دن ہے۔

[2] یہ خوشی کا دن اُس شخص کے لئے ہے جس کے روزے قبول ہو گئے۔

(عید ان کی نہیں ہے جنہوں نے بڑی بڑی دیگیں چڑھا دیں اور بہت سے کھانے پکائے۔ عید تو ان کی ہے جنہوں نے حتی الامکان نیک بننے کا عہد کر لیا)

لیس العید لمن تزین بزینة الدنیا   انما العید لمن تزود بزاد التقوی

(عید ان کی نہیں ہے جنہوں نے دنیا کی زینتوں سے اپنے آپ کو آراستہ کیا۔ عید ان کی ہے جنہوں نے تقوی و پرہیزگاری کو اپنا توشہ بنا لیا)

لیس العید لمن رکب المطایا   انما العید لمن ترک الخطایا

(عید ان کی نہیں ہے جو عمدہ عمدہ سواریوں پر سوار ہو کر نکلے۔ عید ان کی ہے جنہوں نے گناہوں کو ترک کر دیا۔)

لیس العید لمن بسط البساط   انما العید لمن جاوز الصراط

(عید ان کی نہیں ہے جنہوں نے اعلی درجہ کے فرش وفروش سے اپنے مکانوں کو آراستہ کیا۔ عید تو ان کی ہے جو دوزخ کے پل سے گذر گئے۔)

عید کے متعلق اور بہت سے واقعات نقل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن مضمون بہت طویل ہو گیا ہے۔ اگر عید کے تفصیلی واقعات کو قلمبند کیا جاتا تو مضمون اور طویل ہو جاتا اور بعض ایجاز و اختصار پسند طبائع کے لئے موجب ملال ہوتا۔ اللہ تعالی اس فقیر کو اور دوسرے مسلمانوں کو عمل خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

ربنا اغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا وتوفنا مع الابرار۔

مدینہ طیبہ کے یتیم کی عید

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک دفعہ عید الفطر کا دوگانہ ادا کرنے کی غرض سے مصلّے (عید گاہ) تشریف لے جا رہے تھے۔ مدینہ کی بعض گلیوں میں سے جب آپ گذر رہے تھے تو آپ نے ایک مقام پر بچوں کو دیکھا کہ عید کی خوشی میں مشغول ہیں۔ بچوں پر مسرت اور تر و تازگی کے آثار نمایاں ہیں۔ ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد اور تہنیت کا پیغام دے رہا ہے انہیں بچوں میں ایک بچہ بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس خاموش بچے کے چہرے پر افسردگی تھی، رنج تھا۔ چہرے پر اداسی چھا رہی تھی۔ وہ بچہ بچوں میں شریک تھا لیکن اس کا دل غم و الم کی کسی ایسی وسیع وادی کے قطع کرنے میں مبتلا تھا۔ جس کے باعث اُسے یہ خبر نہ تھی کہ آج کونسا دن ہے۔ اور میں کہاں ہوں تمام مسرتوں سے یکسر محروم تھا۔ وہ دوسرے بچوں کو ہنستے اور کھیلتے دیکھتا تھا لیکن اس کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ کیوں ہنس رہے ہیں۔ اسے کبھی کبھی دوسروں کے خوش ہونے پر تعجب ہوتا تھا۔ اور وہ حیرت کے ساتھ ایک ایک کا منہ تکتا تھا۔

سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ تم اپنی خوشی میں اس بچے کو کیوں شریک نہیں کرتے۔ بچوں نے عرض کیا ہماری تمام کوششیں اور ہماری تمام مساعی بیکار ثابت ہو چکی ہیں۔ ہم جسقدر

اس بچہ کو خوش کرنے کی سعی کرتے ہیں، اسی قدر اس کی وحشت اور نفرت بڑھتی ہے
ہم اس کے سامنے جب عید کا ذکر کرتے ہیں تو یہ حیرت و استعجاب سے ہمارا
منہ تکنا ہے۔ ہم اس کو زیادہ مجبور اس لئے بھی نہیں کرتے کہ اگر ہم اس سے
زیادہ کہتے ہیں تو یہ رونا شروع کر دیتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان بچوں کی یہ باتیں سننے کے بعد اس مغموم اور رنجیدہ بچہ کی طرف توجہ
فرمائی اور اس بچہ سے دریافت کیا۔ صاحبزادے تمہیں خبر ہے۔ آج عید
کا دن ہے؟

تم زمانہ جاہلیت میں عید منایا کرتے تھے۔ اللہ تعالے نے اس غیر شرعی
عید کے بدلے میں تم کو حقیقی عید عطا فرمائی ہے یہ دن خوشی کا ہے مسرت کا
ہے، اس دن اللہ تعالے روزے داروں کو ثواب عطا فرماتا ہے۔ اس
غم زدہ بچے نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ باتیں سن کر نہایت مغموم
لہجہ میں کہا۔ اے نصیحت کرنے والے تجھے میرے مصائب کی خبر نہیں۔ تیری
باتیں میرے دل کو اذیت پہنچاتی ہیں تو یہ نصائح کسی اور کو کر۔ تیری تسلیاں مجھے
اطمینان نہیں بخش سکتیں۔ چونکہ یہ بچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف
نہ تھا۔ اس نے نہایت ہی بے اعتنائی کے ساتھ حضورؐ سے گفتگو کی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس مغموم بچہ کی یہ تمام باتیں سنتے رہے
اور پھر آپ نے فرمایا۔ صاحبزادے وہ تیرے مصائب کیا ہیں۔ وہ صدمہ
کون سا ہے جس نے تجھ کو دنیا کی تمام لذتوں اور خوشی کے تمام مواقع سے
محروم و مجبور کر دیا ہے۔ بچے نے کہا اے شخص میرا باپ ایک غزوہ میں
شہید ہو چکا ہے۔ میری ماں نے دوسرا نکاح کر لیا۔ سوتیلے باپ نے مجھ کو گھر
سے نکال دیا ہے۔ نہ میرا باپ ہے اور نہ میری اس وقت کوئی ماں ہے۔ نہ میرے

پاس کپڑے ہیں۔ اور نہ میرے کھانے کا کوئی انتظام ہے۔ ایسی حالت میں مجھے عید کی کیا مسرت ہو سکتی ہے۔ عید نوان بچوں کی ہے۔ جن کو ماں باپ کی آغوش تربیت حاصل ہے۔ اور جو کھانے کپڑے سے بے نیاز ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچہ کی دردناک داستان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ رحمۃ اللعالمین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے بچے کیا تو اس کو پسند نہیں کرتا کہ تیرے باپ کی بجائے محمدؐ تیرا باپ ہو جائے۔ اور ماں کی بجائے عائشہؓ تیری ماں بن جائے۔ فاطمہؓ تیری بہن ہو اور حسنؓ حسینؓ تیرے بھائی ہوں۔ بچہ نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ جیسے باپ پر ہزاروں باپ قربان اور عائشہ صدیقہؓ جیسی ماں پر ہزاروں مائیں نثار، اور فاطمہ زہرہؓ اور حسنؓ حسینؓ پر ہزاروں بھائی بہن قربان میں اس کو پسند ہی نہیں کرتا۔ بلکہ ان باپ ماں بہن بھائیوں پر فخر کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچہ کو اپنے ہمراہ لائے اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا، اس کو کھانا کھلاؤ اس کو کپڑے پہناؤ۔ یہ یتیم ہے۔ اس کی خوشی میں اللہ تعالٰی کی مسرت پنہاں ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بچہ کو کھانا کھلایا، کپڑے پہنائے۔ بچہ کا غم مسرت اور رنج خوشی سے بدل گیا۔ جب دوسرے بچے اس تبدیلی کی وجہ دریافت کرتے تو یہ فخر سے کہا کرتا۔ میں بن باپ کا تھا۔ میرے باپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بن گئے۔ میری ماں نہ تھی۔ اب میری ماں حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں میرے بہن بھائی نہ تھے اب حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما میرے بھائی اور بہن ہیں۔ میرے پاس کپڑے نہ تھے۔ اب میں نئے کپڑوں سے ملبوس ہوں میں بھوکا تھا۔ لیکن اب میں سیر ہوں۔

Scanned by CamScanner

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور آپ کے الطاف کریمانہ نے میرے مصائب و آلام کو مسرت اور شادمانی سے مبدل کر دیا۔ اب میں جس قدر بھی خوشی کا مظاہرہ کروں وہ کم ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی میں یہ بچہ آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں رہا۔ اور آپ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کی کفالت فرمائی اور اس کی ضروریات زندگی کا انتظام فرماتے رہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے وصال اور آپ کی وفات کے بعد یہ بچہ نہایت کرب و مصیبت سے روتا تھا اور کہتا تھا۔ الآن صرت غریبًا الآن صرت فقیرًا الآن صرت یتیمًا۔[۱]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات کو اہل مدینہ میں یہ لڑکا سب سے زیادہ محسوس کر رہا تھا۔

کاش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیم سے مسلمان سبق حاصل کریں اور عید کے دن اپنی برادری اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے محلہ کو فراموش نہ کریں۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری کی روایات کو زندہ رکھیں۔

---

[۱] میں اس وقت غریب ہو گیا۔ میں آج فقیر ہو گیا۔ میں آج یتیم ہو گیا۔

عشرہ ذی الحجہ

یکم ذی الحجہ سے دس ذی الحجہ تک کے دس دن کو عشرہ ذی الحجہ کہتے ہیں۔
ان دس دن کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ما من ایام العمل الصالح فیھا احب الی اللہ عزوجل من ھذہ الایام یعنی ایام العشر قیل یا رسول اللہ ولا الجہاد فی سبیل اللہ قال ولا الجہاد فی سبیل اللہ الا رجلا خرج بنفسہ ومالہ ثم لم یرجع بشیء۔

یعنی ان دس دن (عشرہ ذی الحجہ) کی عبادت اللہ کو جس قدر محبوب ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے دنوں کی عبادت اتنی محبوب نہیں ہے۔ کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے راستے میں جہاد کرنا بھی ان دنوں کے اعمال کے مساوی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا ان دنوں کا مقابلہ جہاد بھی نہیں کر سکتا۔ البتہ کوئی شخص اپنا مال اور جان دونوں میدان جہاد میں قربان کر دے۔ دونوں میں سے ایک چیز بھی واپس نہ آئے تو ایسا جہاد بے شک ان دنوں کے اعمال صالحہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:۔ ما[1] من ایام اعظم عند اللہ ولا احب الیہ العمل فیھن من ھٰذہ الایام العشر فاکثروا فیھن التھلیل والتکبیر والتحمید۔

ایک اور روایت میں ہے:۔ ان[2] افضل ایام الدنیا ایام ھٰذہ العشر قیل یارسول اللہ ولا مثلھن فی سبیل اللہ قال لا من عفر وجھہ فی التراب۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے:۔ فی[3] ھٰذہ الایام یعدل صیام کل یوم منھا صیام سنۃ وقیام لیلۃ منھا کقیام لیلۃ القدر۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ارشاد ہے:۔ من[4] صام العشر فلہ بکل یوم صوم شھر ولہ بصوم الترویۃ سنۃ۔

---

[1] عشرہ ذی الحجہ کے نیک عمل دوسرے دنوں کے مقابلہ میں اللہ کو بہت پسندیدہ ہیں۔ پس ان دنوں میں لا الہ الا اللہ۔ اللہ اکبر، الحمد للہ کی کثرت رکھو۔

[2] یعنی تمام ایام دنیا میں سے ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن افضل ہیں۔ کسی نے عرض کیا۔ جو دن جہاد میں صرف ہوں وہ دن بھی ان دنوں کی فضیلت کا مقابلہ نہیں کر سکتے؟ فرمایا ایسا جہاد تو ان دنوں کا مساوی ہو سکتا ہے۔ جس میں مجاہد کا چہرہ خون آلود ہو جائے۔ اور وہ میدان جہاد ہی میں قربان ہو جائے۔

[3] عشرہ ذی الحجہ کے ہر دن کا روزہ ثواب میں ایک سال کے برابر اور رات کا قیام شب قدر کے قیام کے مساوی ہے۔

[4] جس شخص نے دس دن کے روزے رکھے۔ اسکو ہر روزے کے بدلے میں ایک مہینہ کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور آٹھویں تاریخ کے روزے کا ثواب ایک سال کے برابر ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضؓ کی روایت میں نویں تاریخ کے روزے کو دو سال کے گناہوں کا کفارہ فرمایا ہے۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔ احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی قبلہ والسنۃ التی بعدہٗ۔

عید کا دن اور اس کے مستحبات

عید الاضحیٰ کی صبح کو بھی مثل عید الفطر کے غسل کرنا، مسواک کا استعمال کرنا، اچھے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، عید گاہ کی طرف پیدل چلنا جانا اور راستہ سے، اور آنا اور راستہ سے۔ یہ تمام افعال مستحب ہیں۔ اور عید الاضحیٰ میں بغیر ناشتہ کے عید گاہ جانا مستحب ہے۔ راستہ میں تکبیر آواز کے ساتھ پڑھتے ہوئے جانا چاہیئے۔ تکبیر کے الفاظ یہ ہیں:۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

نویں تاریخ کی صبح سے تیرہ کی عصر تک

ہر فرض نماز کے بعد یہ تکبیر ایک مرتبہ فرض ادا کرنے والوں کو پڑھنی چاہیئے۔ اگر امام بھول جائے تو مقتدی بلند آواز سے تکبیر پڑھ کر اُسے یاد دلا دیں۔ جو شخص تنہا نماز پڑھے، اسے بھی یہ تکبیر پڑھنی چاہیئے۔ ان پانچ دن میں اگر کوئی نماز قضا ہو جائے اور انہی دنوں میں اسے ادا کیا جائے تو اس کو مع تکبیر کے ادا کرنا چاہیئے۔

عید کی نماز

مثل عید الفطر کے دو رکعتیں مع چھ تکبیروں زوائد کے ادا کرنی چاہیئے۔ نیت

لے یعنی یوم عرفہ کا روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ عید الاضحیٰ کی دو رکعتیں جو سنت مؤکدہ ہیں۔ مع چھ تکبیروں کے ادا کرتا ہوں۔ پہلی مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور ناف کے نیچے باندھ لیں۔ سبحانک اللّٰھم پڑھیں۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور چھوڑ دیں۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں۔ پھر چوتھی مرتبہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور باندھ لیں۔ اب امام قرأت پڑھے، اور مقتدی خاموش کھڑے رہیں۔ یہ چار تکبیریں ہوئیں جن میں سے ایک تو یعنی پہلی تکبیر تحریمہ ہے۔ اور تین تکبیریں زائد ہیں۔ جب دوسری رکعت کے رکوع کا وقت آئے تو رکوع میں جانے سے پہلے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں۔ چوتھی مرتبہ بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں۔ یہ بھی چار تکبیریں ہوئیں۔ ایک تکبیر تو رکوع میں جانے کی ہے اور تین تکبیریں زیادہ ہیں۔ باقی نماز اپنی حالت پر ہے۔

مسبوق کا حکم

جو شخص امام کی تحریمہ کے بعد آکر ملے اُس کو چاہیئے کہ وہ ہاتھ اٹھا کر اپنی تکبیریں کہہ لے، لیکن اگر امام رکوع میں چلا گیا ہو تو پھر فوراً رکوع میں مل جائے اور بغیر ہاتھ اُٹھائے، رکوع ہی میں تین بار اللہ اکبر کہہ لے۔ اگر ایک یا دو تکبیریں باقی تھیں کہ امام رکوع سے کھڑا ہو گیا تو یہ بھی امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ ایسی حالت میں تکبیریں ساقط ہو جائیں گی۔ اگر کسی شخص کی ایک رکعت مستقل جاتی رہے اور دوسری امام کے ساتھ پڑھ لے تو جب وہ اپنی پہلی رکعت فوت شدہ پڑھنے کھڑا ہو تو شروع میں تکبیریں نہ کہے، بلکہ رکوع میں جاتے وقت تکبیریں ادا کر لے۔ یعنی پہلی رکعت فوت شدہ مثل دوسری رکعت کے ادا کرے۔ لیکن اگر کسی

کی دوسری بھی فوت ہو جائے، اور وہ دوسری کے رکوع کے بعد امام کے ساتھ شریک ہو تو پھر دونوں رکعتیں باقاعدہ مقررہ ترتیب کیساتھ ادا کی جائیں گی۔

خطبہ کی مسنونیت

نماز کے بعد خطبہ ضرور سننا چاہیئے۔ اگر فاصلہ پر ہو تو بھی اپنی جگہ بیٹھا رہے۔ اور خطبہ ختم ہونے کے بعد عیدگاہ سے نکلے۔ لوگوں پر سے پھلانگنا سخت مذموم اور گناہ کی بات ہے۔

قربانی اور اس کے ضروری مسائل

خدا کے ایک مخلص بندے نے، اب سے ۲½ ہزار برس پہلے ایک ایسی ایثار و رضا کی مثال پیش کی تھی کہ قیامت تک کے لئے اس کی تقلید لازم کردی گئی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کی پابندی کا حکم دیتے ہوئے سُنَّۃَ اَبِیکُم اِبرَاھِیمَ۔ اس لئے فرمایا تھا کہ روحانی اولاد اپنے باپ کے اس مبارک فعل کی اہمیت پر غور کرے۔ اگرچہ اس وقت قربانی کے فلسفہ پر کوئی بحث کرنی نہیں ہے۔ لیکن اتنا ضرور عرض کرنا ہے کہ جس قوم میں قربانی کی رسم نہیں ہے وہ قوم زندگی ہی کی لذت سے نا آشنا ہے۔ مقصود بالذات تو انسانی قربانی ہے۔ لیکن نہ وہ ہر وقت میسر ہو سکتی ہے۔ نہ ہر روز اس کا موسم ہوتا ہے۔ نہ قانون اور حکومت اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہر شخص کو یہ لازوال دولت میسر آ سکتی ہے۔

حضرت فضیل بن عباس اور عبداللہ بن مبارک

حضرت فضیل بن عباس رحمۃ اللہ علیہ مکہ میں صوفیانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔

تبتل اور عزلت نشینی اختیار کر چکے ہیں۔ ذکر و شغل میں مشغول ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مبارک درس حدیث میں منہمک ہیں۔ اور جب اس دینی تعلیم سے وقت ملتا ہے تو اللہ تعالےٰ کے راستہ میں حقیقی قربانی کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ ایک دفعہ میدان جہاد سے واپس آئے تو زخموں سے چور تھے۔ مجلس میں حضرت فضیل کی عبادت و ریاضت کا ذکر آ گیا تو اسی حالت میں قلم برداشتہ حضرت کو ایک خط لکھا جس میں نثر کے ساتھ ساتھ ذیل کے اشعار بھی تھے۔

۱ یا عابد الحرمین لو ابصرتنا	لعلمت انک فی العبادۃ تلعب
۲ من کان یخضب خدہ بدموعہ	فنحورنا بدمائنا تتخضب
۳ او کان یتعب خیلہ فی باطل	فخیولنا یوم الصبیحۃ تتعب
۴ ریح العبیر لکم و نحن عبیرنا	وھج السنابک والغبار الاطیب
۵ ولقد اتانا من مقال نبینا	قول صحیح صادق لا یکذب
۶ لا یستوی وغبار خیل اللہ فی	انف امرئ و دخان نار تلھب
۷ ھذا کتاب اللہ ینطق بیننا	لیس الشہید بمیت لا یکذب

(۱) اے حرمین کے عابد اگر تو ہماری حالت کو دیکھتا تو یقیناً اپنی عبادت اور اعمال و اشغال کو ایک کھیل سمجھتا۔

(۲) بھلا ایک وہ جس کے صرف آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے ہوں اس کا مقابلہ کر سکتا ہے جس کے سینہ پر اس کی گردن کا خون بہہ رہا ہو۔

(۳) ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا دوڑ کے میدان میں بھاگ رہا ہے اور ایک وہ لوگ ہیں جن کے گھوڑے میدان جہاد میں دشمنوں سے نبرد آزما ہیں۔

(۴) تم مشک اور عنبر کی خوشبوؤں سے فائدہ اٹھا رہے ہو اور یہاں میدان جہاد کا غبار ہے، یا نیزوں اور تلواروں کی نوکیں ہیں۔

(۵) ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پہونچی ہے ۔

(۶) جس کا مطلب یہ ہے کہ میدان جہاد کا غبار اور دوزخ کا دھواں ایک دماغ میں نہیں جمع ہو سکتے ۔

(۷) اے فضیل! اللہ کی کتاب میں بالکل صاف اور کھلا ہوا حکم موجود ہے کہ شہید کو موت نہیں آتی، اور نہ اُس کو مردہ کہہ سکتے ہیں ۔

فضیل نے جب اس خط کو پڑھا تو بے ساختہ چیخیں مار مار کر روئے ۔

بہرحال اصلی قربانی تو یہی تھی ۔ لیکن یہ قربانی بھی اس قربانی سے مناسبت رکھتی ہے ۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ ہر سال قربانی کرتے رہو ۔ تاکہ تم میں قربانی کا تذکرہ باقی رہے ۔ اور وقت پر بالکل نئی چیز نہ معلوم ہو ۔

ضروری مسائل

دسویں تاریخ کو بعد نماز عید اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر عمل قربانی کرنا ہے ۔ قربانی کے ہر ایک بال کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے ۔ قربانی کے خون کا ہر ایک قطرہ کفارۂ سیئات کا سبب ہے ۔

قربانی کے جانور کا ہر ایک عضو یہاں تک کہ اس کی کھال اور اس کے کھُر اور سینگ سب میزان عمل میں ہوں گے ۔ قربانی کرنا صراط پر عبور کرنے میں ممد و معاون ہوگا ۔

قربانی ہر مالدار مسلمان پر واجب ہے ۔ جانور کو ذبح کرتے وقت قربانی کی نیت کرنی ضروری ہے ورنہ قربانی ادا نہ ہوگی ۔ گاؤں اور دیہات کے رہنے والے جن پر عید کی نماز واجب نہیں ہے ۔ دسویں تاریخ کی طلوع فجر کے بعد بھی قربانی کر سکتے ہیں ۔ لیکن قصبات اور شہروں کے لوگ عید کی نماز سے پیشتر قربانی نہیں

کر سکتے۔ میت کی جانب سے قربانی کر سکتے ہیں۔ اگر مرنے والے نے قربانی کی وصیت کی ہو تو اس قربانی کا تمام گوشت صدقہ کر دینا واجب ہے۔ لیکن اگر بدوں وصیت کے قربانی کی جائے تو گوشت کا حکم وہی ہے جو زندہ کی قربانی کا ہوتا ہے۔ یعنی ایک حصہ خیرات کر دینا اور دوسرا حصہ عزیز و اقارب میں تقسیم کرنا، اور تیسرا حصہ اپنے استعمال میں لانا یہ طریقہ استحبابی ہے۔ اگر کوئی شخص تمام گوشت اپنے کام میں لے آئے یا تمام صدقہ کر دے تو بھی جائز ہے۔ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہیں کرنا چاہیے۔ ذبح کے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ[1] کہنا چاہیئے۔ اگر ذبح کے وقت کوئی مسلمان تکبیر بھول جائے تو بھی جانور کا گوشت کھانا جائز ہے۔ دس تاریخ کی صبح سے لے کر بارہ کی شام تک قربانی کا وقت ہے۔ رات میں قربانی کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ قربانی ادا ہو جائے گی۔ بکری۔ بھیڑ، دنبہ۔ ایک آدمی کی طرف سے ایک ہو سکتا ہے۔ لیکن گائے[2]، بھینس اور اونٹ میں سات شخص شریک ہو سکتے ہیں۔

بکری بکرا۔ ایک سال سے، اور بھیڑ دنبہ چھ ماہ سے۔ گائے دو سال سے اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہو۔ اگر اس عمر سے جانور کی عمر کم ہوگی تو قربانی ادا نہ ہوگی۔ اس عمر سے اگر زائد ہو تو افضل ہے۔ چھ ماہ کی وہ بھیڑ اور دُنبہ جائز ہوگا جو فربہ اور ہاتھ پاؤں کا اچھا ہو۔ گائے، بھینس اور اونٹ میں سات آدمی سے زیادہ شریک نہیں ہو سکتے۔ لیکن سات سے کم ہوں تو جائز ہے۔ تو ان آدمیوں کی نیت تقرب الی اللہ کی ہونی چاہیئے۔ اگر جہات مختلف ہوں تو مضائقہ نہیں۔

---

[1] شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے، اللہ بہت بڑا ہے ۱۲

[2] بھارت میں گائے کی قربانی ممنوع ہے۔ البتہ بھینس اور اونٹ کی قربانی میں سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں۔

مثلاً ایک کی نیت قربانی کی ہو۔ دوسرے کی کفارہ کی، تیسرے کی عقیقہ کی۔

قربانی کا جانور سلیم الاعضا ہونا چاہیئے۔ اندھا۔ کانا۔ لنگڑا یا۔ بہت زیادہ بیمار کان یا دم کٹا ہوا۔ ناک کٹی ہوئی نہیں ہونی چاہیئے۔ اسی طرح زبان کٹی ہوئی۔ اگر کسی جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، یا سینگ کے خول ٹوٹ گئے ہوں۔ لیکن گودے پر زیادہ اثر نہ پہونچا ہو تو جائز ہے۔ لیکن اگر پیدائشی کان نہیں تو جائز نہ ہوگا۔ اگر کان ہوں لیکن چھوٹے چھوٹے ہوں تو جائز ہوگا۔ دُم یا کان کا تیسرا حصہ یا تیسرے سے کم کٹا ہوا ہو تو جائز ہے۔ لیکن تیسرے حصے سے زائد کٹا ہوا ہو تو جائز نہیں خصی اور مقطوع الذکر جانور کی قربانی جائز ہے آنکھ کی بینائی میں بھی تیسرے حصے کا اعتبار ہے، اُون کترا ہوا جانور جائز ہے۔ اگر عید کے چاند میں شک ہو تو احتیاطاً گیارہ کی شام تک قربانی کرلیں۔ لیکن اگر باوجود شک کے بارہ کو قربانی کرلی تو پھر مستحب یہ ہے کہ تمام گوشت صدقہ کردے۔ جس طرح قربانی کے جانور کا گوشت کوئی چاہے تو اپنے کام میں لاسکتا ہے۔ اسی طرح جانور کی کھال کا بھی استعمال کرسکتا ہے۔ لیکن روپے پیسے کے بدلے میں فروخت نہ کرے۔ اگر کسی شخص نے قربانی کے جانور کی کھال فروخت کردی تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ اور اس صدقہ کا حکم مثل زکوٰۃ کے ہوگا۔ البتہ یہ اختیار ہوگا کہ ایک کھال یا چند کھالوں کی قیمت ایک ہی مسکین کو دیدے یا ایک کھال کی قیمت چند مسکینوں پر صدقہ کردے۔ اگر سالم کھال صدقہ کردے تو جائز ہے۔

قربانی ہر اس شخص پر واجب ہوگی۔ جو حوائج اصلیہ اور حاجات ضروریہ کے علاوہ مقدار نصاب کا مالک ہو۔ وجوب۔ صدقہ۔ فطرہ اور وجوب اضحیہ دونوں کا نصاب مساوی ہے۔

۲۹ مئی ۱۹۲۸ء

ایکِ طالبِ حق

کو

حق کی تلاش

حیاتِ خلیل پر ایک نظر

معرفت الوہیت و وحدانیت کے لئے قدرت نے جس طرح انسان کو جوہر عقل سے آراستہ کیا ہے اسی طرح عالم کو گوناگوں عجائب و غرائب سے مزین فرمایا ہے تاکہ ایک صحیح العقل انسان ان قدرتی مظاہر سے نہایت آسانی کے ساتھ صانع عالم کے وجود پر استدلال کر سکے اور ایک ہلکی سی نظر اور تھوڑی سی توجہ کے ساتھ توحید باری اور اس کی الوہیت کا قائل ہو سکے۔ اگر عقل سلیم ان مسائل کی عقدہ کشائی کے لئے کافی نہ ہوتی یا مو الید ثلاثہ اور اجرام فلکیہ میں رہنمائی کی اہلیت نہ ہوتی تو آسمانی کتب میں عموماً اور خدا کے مقدس کلام اور آخری کتاب میں خصوصاً نہ تو انسانی عقل سے اپیل کیا جاتا، اور نہ امور معلومہ سے امور مجہولہ کے تصور و تصدیق کی تکلیف دی جاتی، اور جب دعاوی پر دلائل سے اجتناب ہوتا، تو تمثیلات جو محض وضاحت دلائل کے لئے استعمال کی جاتی ہیں وہ بھی بے کار ہو جاتیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ کتب سماویہ میں اس قسم کی چیزیں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً دلائل کا ذکر کرتے ہوئے۔

انَّ فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون[1] ٥
انَّ فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یعقلون[2] ٥
انَّ فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار[3] ٥
انَّ فی ذٰلک لاٰیٰت لاولی الالباب[4] ٥
انَّ فی ذٰلک لاٰیٰت للمتوسمین[5] ٥

فرمانا عقول انسانی سے اپیل نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح جا بجا مصنوعات و مخلوقات سے ان الفاظ میں استدلال فرمایا ہے۔
ومن اٰیاتہ ان خلقکم من تراب۔ ثم اذا انتم بشر تنتشرون[6]۔

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔
والانعام خلقھا لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ان ربکم لرءوف الرحیم۔ والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق ما لا تعلمون[7]۔

---

[1] بیشک ان چیزوں میں اہل فکر کے لئے بہت سے دلائل موجود ہیں۔ [2] ان بیانات میں اہل عقل کے لئے بکثرت دلائل ہیں۔ [3] ان باتوں میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے۔ [4] اہل عقل کیلئے اس میں نشانیاں ہیں۔ [5] اہل علم اور اہل عقل کیلئے ان میں نشانیاں موجود ہیں۔ [6] اور اُس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے پھر اب تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے۔ [7] اور چوپائے بنا دیئے تمہارے واسطے ان میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو اور تم کو اُن سے عزت ہے جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لیجاتے ہو۔ اور اٹھائے چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان مار کر بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اور گھوڑے پیدا کئے اور خچر اور گدھے کہ اُن پر سوار ہو۔ ورزینت کے لئے اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

جمادات کے وجود سے اس طرح استدلال فرماتے ہیں :-

وجعلنا فیہا رواسی شمخت۔[1]

اور ارشاد فرمایا کہ :-

الم نجعل الارض مہادا والجبال اوتادا۔[2]

نشاۃ ثانیہ پر نباتات کی روئیدگی سے استدلال کیا گیا ہے۔

فاخرجنا بہ من کل الثمرات کذلک نخرج الموتی لعلکم تذکرون۔[3]

وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیہا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بہیج۔[4]

ومن ایاتہ انک تری الارض خاشعۃ فاذا انزلنا علیہا الماء اھتزت وربت ان الذی احیاھا لمحی الموتی[5]

موالید ثلاثہ کے ساتھ ساتھ عالم علوی سے استدلال ملاحظہ ہو:-

افلم ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنینھا وزینھا ومالھا من فروج۔[6]

---

[1] اور ہم نے زمین کے دباؤ کیلئے اس میں بلند پہاڑ بنائے ہیں۔ [2] کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں۔ [3] پھر اس سے نکالتے ہیں سب طرح کے پھل اسی طرح ہم نکالیں گے مُردوں کو تاکہ تم غور کرو۔ [4] اور تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی۔ پھر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی، تازی ہوگئی اور اُبھری اور اُگائیں ہر قسم کی رونق کی چیزیں۔ [5] اور ایک اس کی نشانی یہ ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی پھر جب اتارا ہم نے پانی، تازی ہوئی اور اُبھری بیشک جس نے زندہ کیا اُس کو زندہ کریگا مُردوں کو۔ [6] کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اس کو بنایا، اور رونق دی اور اُس میں نہیں کوئی سوراخ۔

اجرام فلکیہ کو کس بہترین طریقہ سے پیش کیا گیا ہے۔

والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم
لاالشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النہار
وکل فی فلک یسبحون۔[1]

اجرام فلکیہ میں سب سے بڑے جسم کی تسخیر و تذلیل سے اپنی توحید پر استدلال کا عجیب و غریب طرز اختیار کیا ہے۔

قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم اللیل سرمدا الی یوم
القیمۃ من الہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء افلا تسمعون قل ارایتم
ان جعل اللہ علیکم النہار سرمدا الی یوم القیمۃ من الہ
غیر اللہ یاتیکم بلیل تسکنون فیہ افلا تبصرون۔[2]

ان دلائل کو مختلف مثالوں سے جا بجا تفصیل کے ساتھ واضح بھی فرمایا ہے جس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اگر کوئی ذی عقل انسان موجودہ مخلوقات پر ایک نظر منصفانہ لیکن غور و فکر سے لبریز نظر ڈالے تو وہ الہیات کے متعلق ایک ایسے نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے جو رفع درجات کے لئے نہ سہی لیکن نجات کے لئے تو ضرور کافی ہو سکتا ہے۔

---

[1] اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں، یہاں تک کہ پھر آرہا جیسے ٹہنی پرانی نہ سورج سے ہو کہ پکڑ لے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں پھرتے ہیں۔ [2] تو کہہ دیکھو تو اللہ رکھدے رات تم پر ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوا کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی، پھر کیا تم سنتے نہیں تو کہہ دیکھو تو اگر رکھدے اللہ تم پر دن ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوا کہ لائے تم کو رات جس میں آرام کرو۔ پھر کیا تم نہیں دیکھتے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ضرورت

ممکن ہے یہ شبہ کیا جائے کہ اگر عقل صحیح الہیات کے مسئلہ میں رہنما بن سکتی تھی تو انبیاء کی تشریف آوری کے لئے کونسی ضرورت داعی تھی یہ شبہ یقیناً اس وقت صحیح ہو سکتا تھا۔ جب دُنیا فطرۃ سلیمہ اور عقل صحیح کا جائز استعمال کرتی۔ افسوس تو اسی کا ہے کہ لوگوں نے اس نعمت خداوندی کا صحیح استعمال نہیں کیا۔ خداداد عقل و دانش کا استعمال جس قدر مادیت کے حصول میں کیا گیا اگر اس کا عشر عشیر بھی صانع کائنات اور خالق موجودات کی ہستی اور اس کی وحدانیت پر غور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تو یقیناً آج دنیا کے انسان ایک ایسی راہ پر ہوتے جس سے نہ صرف دُنیاوی زندگی میں امن و اطمینان حاصل ہوتا بلکہ وہ راستہ خالق کی نظر میں بھی محبوب ترین اور صراط مستقیم شمار کیا جاتا۔ انبیاء کی ضرورت یا تو بالکلیہ مرتفع ہو جاتی۔ یا اگر باقی بھی رہتی تو رفع درجات اور تقرب عنداللہ کے لئے رہ جاتی۔ اگرچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوس قدسیہ سے تو انسانی عقول کسی حالت میں بھی استغناء تام نہیں حاصل کر سکتی تھی۔ لیکن پھر بھی ان آنے والے برگزیدہ حضرات کے مصائب میں بہت کچھ کمی واقع ہو سکتی تھی۔ دنیا نے فجور اور تقویٰ کی دو راہوں میں سے خطرناک راستہ اختیار کیا وہ بجائے قد افلح من زکّٰھا کے قد خاب من دسّٰھا کے مصداق بنے۔ یہ خدائے رؤف و رحیم کا کرم تھا کہ اس لئے کفر و طغیان کے اس امنڈتے ہوئے سیلاب کو سد کرنے کی غرض سے ارواح طیبہ اور نفوس قدسیہ کا نزول فرمایا تاکہ وہ گمراہوں اور سرکشوں کو ان کے طغیان

لہ تحقیق کامیاب ہوا وہ شخص جو پاکیزہ ہو گیا۔ اور بُرے ہوئے نامراد ہوئے وہ جو خاک میں چھپا۔ یعنی اعمال بد کیئے۔ اور نیکی اختیار نہیں کی۔

وعدوان سے متنبہ فرمائیں اور ان کو بتائیں کہ وہ اپنی عقل سلیم سے کس طرح غلط اور ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ خدائے عزوجل کی یہ مہربانی ہے کہ اس نے محض عقول انسانی پر اپنے محاسبہ کی بنیاد قائم نہیں فرمائی، ورنہ اندیشہ تھا کہ سوائے چند نفوس کے کسی ایک کو بھی ابدی نجات کی ہوا نہ لگتی، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس روک تھام کے باوجود بھی ان معصوموں کے ساتھ ابن آدم کی سرکشی نے جو سلوک کیا وہ ظاہر ہے۔ یہ بدنصیب خود تو اپنی فطرۃ سلیمہ سے کیا کام لیتے۔ رونا تو یہ ہے کہ خدا کے نبیوں کی پند و نصائح کے باوجود بھی غور و فکر کے لئے تیار نہ ہوئے غلط راستہ پر نہ صرف اعتماد کیا بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی کا ثبوت پیش کیا۔ صحیح راستہ بتانے والوں کے لئے روحانی اور جسمانی تکالیف کا سامان مہیا کرنے میں تمام عقل خرچ کردی۔ الوہیت و وحدانیت کے اقرار کی بجائے خود مصنوعات کو مؤثر بالذات سمجھ کر ان کی پوجا میں مشغول ہوگئے۔ جب انبیاء کی موجودگی میں ان بیوقوفوں نے عقل کی دولت کو اس بیدردی سے برباد کیا تو بھلا ان کی عدم موجودگی میں نہ معلوم یہ ظالم کیا کرتے اسی بنا پر ہر زمانے کے نبی نے اپنی اپنی قوم کی نبض شناسی کرتے ہوئے اپنی قوم کے لچر اور پوچ دلائل کو بیکار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی قوم کو یہ بتایا ہے کہ جن چیزوں سے تم شرک کی بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہو وہ ہی چیزیں تم کو ہدایت اور توحید الٰہی کا سبق دے سکتی تھیں بشرطیکہ تم اپنی عقل سے کام لیتے۔ اس سلسلے میں سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم اس قدر روشن اور صاف ہے کہ اگر نمرود کا تمرد اور سرکشی اسے تھوڑا سا موقع دیتی تو وہ بدنصیب اپنی تمام طاقت کو ابراہیمی مشن کی کامیابی میں خرچ نہ کرتا۔ اور کبھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناکام مقابلہ کے لئے

آمادہ نہ ہونا لیکن بُرا ہو ضد اور تعصب کا، بُرا ہو خود پرستی اور خود نمائی کا یہ بیماریاں نہ صرف بھلے راستہ کے لئے سدِ راہ ہوتی ہیں۔ بلکہ جو بد نصیب انسان ان امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ دارین کی سعادت سے ابدالآباد کے لئے محروم کر دیا جاتا ہے۔

سیدنا ابراہیمؑ کی قوم!

بابل کی تہذیب بھی دُنیا کی ان تہذیبوں میں سے ہے جس پر دُنیا دار آج بھی بڑے فخر و مباہات کا اظہار کر رہے ہیں۔ بابل کے کھنڈرات نے موجودہ تاریخ نویسوں کی معلومات میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مادّی طاقت کو اپنے تحفظ کے لئے جن آلات یا سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ اس سلطنت میں موجود تھے۔ بابل چونکہ سحر اور جادوگری کا مرکزی مقام تھا۔ اس لئے جادو کی طاقت کہو یا انسانی عقل کا کرشمہ اور چاہے علم نجوم کے کمال سے تعبیر کرو۔ بہر حال اس قوم کے پاس وہ سب کچھ تھا جو ایک دُنیاوی طاقت کے پاس ہوا کرتا ہے۔ یورپ کے پاس آج کل جو کچھ ہے وہ بھی اسی عنوان کا معنون یا سلطنت نمرودی کا عکس ہے۔ ہر زمانہ میں یہی چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ عنوان کچھ بھی ہو۔ لیکن مطلب ایک ہی ہوتا ہے یعنی زبردست اور ظالموں کا کمزوروں پر حکومت کرنا۔ بابل کی نمرود پرست قوم کے پاس سب کچھ تھا۔ بڑے بڑے عالیشان محل تھے، ٹڈی دَل فوج تھی، خزانے میں کروڑوں روپیہ موجود تھا۔ سی آئی ڈی اور پولیس کی تعداد بھی کافی تھی۔ عدالتیں باقاعدہ تھیں۔ جیل خانہ کا انتظام بھی اچھا تھا۔ ایگزیکٹو کونسل بھی وفادار تھی۔ علم نجوم کی بنا پر برسوں پہلے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ سزا کے طریقے بھی نہایت سخت تھے۔ غرض یہ سب کچھ تھا۔ ہاں اگر نہیں تھا تو اتنی بڑی تہذیب میں خدا کی پرستش کا

تذکرہ نہ تھا۔ فطرۃ سلیمہ اس راہ میں گمراہ تھی، عقلا کے اذہان و افہام خالق کے تصور سے یکسر عاری اور بے بہرہ تھے، اجسام علویہ اور اجرام فلکیہ کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے۔ عبادت بھی کرتے تو کواکب کی۔ بادشاہ پرستی ان کی تہذیب کا جزو لاینفک تھا۔ ان کی عقل صحیح کو چند منٹ کی مہلت بھی میسر نہ تھی جس سے وہ خدا کی ہستی پر غور کرتی۔ انسان تھے، فطرۃ سلیمہ اور عقل کی نعمت سے کامل حصہ دیا گیا تھا لیکن باوجود اس نعمت خداوندی کے

افمن زین له سوء عمله فراٰه حسنا[1]۔

کے مصداق تھے۔ ان کی عقل نے مادہ پرستی کی تمام راہیں ان پر سہل کر دی تھیں۔ اگر کوئی کام مشکل اور صعب ترین تھا تو وہ خدائے قدوس کی وحدانیت اور اس کی عبادت کا شغل تھا۔ تمام کام آسان تھے، جملہ علوم کی کنہ سے واقف تھے لیکن اگر بے بہرہ تھے تو صرف خدا کی وحدانیت اور اس کی مقدس ہستی سے، لاعلم تھے تو خالق کائنات اور صانع موجودات سے، غافل تھے تو خدا پرستی کا، جاہل تھے تو انبیاء کی تعلیم سے، کوئی کام مشکل تھا تو صرف وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانا۔

ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء[2]۔

سیدنا ابراہیمؑ کی پیدائش

نمرود پرستوں کی طغیان و سرکشی نے حد سے تجاوز کیا۔ ان بدنصیبوں

---

[1] بھلا اس شخص کو کس طرح ہدایت ہو سکتی ہے جو اپنے بُرے کاموں کو اچھا سمجھ رہا ہو۔

[2] اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ نہ کرے اُس کو ہدایت اتنی ہی مشکل معلوم ہوتی ہے جیسے کسی کو آسمان پر چڑھنا۔

نے سنت اللہ کی عام مہلت اور ڈھیل سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ انھوں نے امہال خداوندی کو ازدیاد اثم کا ذریعہ بنایا۔

انما نملی لهم لیزدادوا اثما۔[1]

ان ظالموں نے آسمان و زمین کی برکتوں سے اخذ و عذاب لیخففو اور فلتنہ کی استعداد بڑھائی۔

حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنا هم بغتة فاذا هم مبلسون۔[2]

اُنھوں نے آہستہ آہستہ سادہ لوح رعایا کی جماعت کو بھی اپنے زہریلے اثر سے متأثر کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کی اس امانت پر جسے فطرۃ سلیمہ کہتے ہیں۔ ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا۔ نمرود کی تصویریں ایک ایک گھر میں پرستش کے لئے رکھی گئیں بادشاہ پرستی کا قانون وضع کیا گیا۔ اطاعت و پرستش کے دو لفظ ہم معنی قرار دیئے گئے۔ بادشاہ کی پوجا وفاداری کی شرط قرار پائی۔ اس استبداد یت و گمراہی کے مقابلہ میں لب کشائی کرنے والے سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ رائے عامہ کا علی الاعلان خون کیا گیا۔

یہ تمام سامان عذاب خداوندی اور غضب الٰہی کی دعوت کے لئے کافی تھے لیکن قدرت کے عام قانون کے موافق رحمت نے پھر ایک دفعہ سبقت کی۔ فطرت سلیمہ کے غلط استعمال ہی کو صرف مواخذہ کی علت قرار نہیں دیا۔ بلکہ ظالموں کو غور و فکر کا ایک آخری موقع دیا گیا۔ بطش و گرفت سے پہلے حضرت

---

[1] ہم بعض دفعہ اس لئے بھی گنہگاروں کو مہلت دیتے ہیں کہ اُن کے گناہ زیادہ ہو جائیں۔ [2] یہاں تک کہ جب وہ ہماری دی ہوئی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو گئے۔

ابراہیمؑ کی بعثت کو ضروری قرار دیا گیا تاکہ بھولے ہوئے سبق کو یاد کرا کے اتمام حجت کیا جائے۔ غفلت وجمود سے عہدہ برآ ہونے اور تقلید آبائی سے رجوع کرنے کی غرض سے بطور آخری تنبیہ اور انقطاع حجت کے خلیل اللہ کو مبعوث کرنے کا اعلان کیا گیا۔ تاکہ کفار ومعاندین کو ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے کہنے کا حق ہی نہ رہے۔

انا کنا عن ھذا غفلین او تقولوا انما اشرک اباؤنا من قبل و کنا ذریۃ من بعدھم افتھلکنا بما فعل المبطلون۔[1]

ابھی یہ خدا کا برگزیدہ بندہ صلب آزر سے منتقل بھی نہ ہوا تھا کہ ماہرین فن نجوم نے قضا وقدر کی چغلی کھائی۔ نمرود کو کسی آنے والے خطرہ سے آگاہ کیا گیا۔ جو ایک نوزائیدہ بچے کی صورت میں ظاہر ہونے والا تھا۔ کونسل کا غیر معمولی جلسہ طلب ہوا۔ انسدادی تدابیر پر غور کرنے کی غرض سے سب کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ نجومیوں نے جو شب رحم مادر میں منتقل ہونے کی مقرر کی تھی، اس رات عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کا اہتمام کیا گیا۔ توالد وتناسل کی صلاحیت رکھنے والے مردوں کو شہر سے باہر کر دیا گیا۔ حکم تھا کہ کوئی مرد شہر میں نہ رہنے پائے۔ فصیل کے دروازوں پر معتمدین کو نگران بنایا گیا۔ آزر جو تقرب نمرودی کے باعث وفاداری میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ حاجبین ودوابین کے نگراں مقرر ہوئے۔ غرض اس مضحکہ خیز طریقہ سے نمرودیوں نے قضا وقدر کا مقابلہ کیا۔ یہ سب کچھ کیا گیا۔ باوجود اس تمام جدوجہد اور سارا کام روک تھام کے مادہ پرستوں کو ذلیل شکست کا منہ دیکھنا پڑا وہ ہو گیا جو خدا چاہتا تھا۔ قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں نے آزر کو اس امانت سے جو ان کو نسلاً بعد نسل ودیعت کی گئی تھی ہمیشہ کے لئے سبکدوش کر دیا۔ ایک شریف

---

[1] ہم کو اس کی خبر نہ تھی یا کہنے لگو شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے انکی اولاد انکے پیچھے تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا گمراہوں نے۔

خاتون اس امانت کی ذمہ دار بنائی گئی۔ محافظین اور شاہی مخبرین خائب و خاسر کر دیئے گئے۔

واللّٰہ غالب علیٰ امرہٖ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔[1]

فلک آشیاں طبقہ میں قضیٰ[2] ۱۸ھ کی صدا گونجی ادھر مادہ پرستوں میں غل مچا نجومیوں نے سر پیٹ لیا۔ قضاء و قدر کے وشاۃ و غماز نے سینہ کوبی کی۔ تب کروں میں جاء الحق وزھق الباطل[3] کا شور ہوا۔ دبیران قدرت نے مادہ پرستوں کو نظر استعجاب سے دیکھ کر کہا۔ تمہارا منشا پورا ہو گیا۔ آنے والا خطرہ صرف نو مہینے کی مسافت پر ہے۔ اگر کوئی انتظام کر سکتے ہو تو کر لو۔

کواکب پرستوں کی ایک اور حماقت

شکست خوردگان قضاء و قدر نے پہلی شکست کو شکست نہیں سمجھا اور بد نصیبوں نے دوسرا محاذ جنگ قائم کر لیا۔ اب کی دفعہ حاملہ عورتوں کی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ ہر نو زائیدہ اور معصوم بچّے کو اپنا حریف سمجھ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اور نہ معلوم اقتدار پسندوں نے کتنے ہزار بے گناہ بچّے اس طرح اپنی سفاکی اور بادشاہ پسندی کی نذر کر دیے۔ لیکن قدرت کی زبردست طاقت نے ظالموں اور جاہلوں کو اس محاذ پر بھی شکست دی۔ آزر یا تارخ کی بیوی شلی شروع شروع میں اپنے حمل کو چھپاتی رہیں۔ لیکن آخر انہوں نے اس ہونے والے بچّے کی اتنی محبت نمرود پرست باپ کے دل میں پیدا کر دی، اور وہ اس پر رضا مند ہو گئے کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو اُس کو زمانہ بلوغ تک پوشیدہ رکھا جائے گا اور نمرود کی خدمت میں اُس وقت تک

---

[1] اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [2] فیصلہ کر دیا گیا۔
[3] حق آگیا اور باطل ختم ہو گیا، زائل ہو گیا۔

پیش نہ کیا جائے گا۔ جب تک وہ نمرود کی خدائی کا معترف نہ ہو جائے۔

تمام بابل کا ایک غار وضع حمل کے لئے مقرر کیا گیا۔ ایک دن رات کی تاریکی اور صحرا کی خاموشی نے حضرت خلیل کی والدہ مثلی کو اس امانت سے سبکدوش کر دیا جو ان کو اسی قسم کی ایک رات میں ان کے خاوند تارخ نے شہر پناہ کے بڑے لیکن مقفل دروازے کے قریب ودیعت کی تھی۔

پرستاران نمرود کو اس محاذ پر بھی شکست ہوئی واقفین علم نجوم و ماہرین مبلغ سیارات نے نمرود اور اس کی کونسل کو ذلیل شکست کی اطلاع دیدی۔ اور صاف کہہ دیا کہ اے رب السموات والارض جس خطرہ کا اندیشہ تھا وہ عالم علوی کو طے کر چکنے کے بعد زمین کی پنہائی کو چیرتا ہوا منازل سفر کو نوبت بعد نوبت عبور کرتا ہوا شہر بابل کی فصیل سے ٹکرا رہا ہے۔ خداوند زمین و زماں جس بچہ کی تلاش میں ہزاروں بچے ذبح کئے گئے جس خطرے کے خوف سے ہزاروں گھروں کو برباد کیا گیا۔ ہزاروں عورتوں کی گودیاں خالی کرائی گئیں۔ وہ بچہ پیدا ہو گیا۔ اسوقت تک زندہ ہے، تندرست ہے آپ ہی کے دربار کا ایک معتمد علیہ اس کا نگران اور محافظ ہے۔ اگر خداوند ملک کو بچانا ہے۔ اور خدائی کا تحفظ مقصود ہے تو اس بچہ کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ ہم نے حق غلامی ادا کر دیا۔ اب حضور کو اختیار ہے۔ آپ تمام معاملات کو خوب جانتے ہیں۔ کیونکہ آپ عالم اور صانع موجودات ہیں۔

ماہرین فن کی اس سمع خراش تقریر نے نمرودیوں کی سٹی گم کر دی وہ ایسے مبہوت و متحیر ہوئے کہ کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ صرف تارخ پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالا گیا۔ لیکن تارخ نے اپنے اعتماد اور ہر دلعزیزی کی بدولت نمرود کی آنکھوں میں ایسی خاک جھونکی کہ تمام ایوان حکومت نہ صرف مطمئن ہو گئے بلکہ آزر کے لئے کونسل میں اعتماد کی تجویز پاس ہو گئی۔ سادہ پرستوں نے اس محاذ پر ایسی منہ کی کھائی کہ اگر عقل

صحیح سے تھوڑا سا کام بھی لیتے تو ہدایت کے راستے کو نہایت آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے تھے، مگر یہ فسون و فجور کے پتلے اور ضلالت و گمراہی کے مجسمے اس قسم کی ٹھوکروں سے کب سنبھلتے تھے، بہرحال سیدنا ابراہیمؑ کی پرورش شروع ہوئی۔ تھوڑے سے عرصہ میں ماں باپ کے پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ رات کی تاریکی میں ان کی والدہ ان کو غار سے لے کر باہر بیٹھ جاتیں۔ اور شب تاریک سیاہ چادر کی چمکتی ہوئی بنکیوں سے کھلایا کرتیں۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے کائنات کی سیر کا ایک بہانہ تھا اگرچہ ابھی طریقہ استدلال کی صلاحیت پیدا نہ ہوئی تھی لیکن پھر بھی باوجود ماں باپ کی ضد اور اصرار کے کسی تارے کے سلام کو نہ تو کبھی ہاتھ اٹھایا اور نہ کبھی کسی چمکتے ہوئے سیارے کے سامنے اظہارِ عبودیت کی غرض سے پیشانی جھکائی۔ قدرت کی اس گوناگوں رنگینیوں کو دیکھ کر کبھی ہنستے کبھی روتے اور کبھی خاموش ہو جاتے ماں باپ اس نونہال کی چمکتی ہوئی پیشانی کو چومنے گلے لگاتے اور شب گیسو دراز کی زلفیں سمٹنے سے پہلے اپنی امیدوں کے اس مرکز کو غار میں چھپا دیتے، اور اپنے عقیدے کے موافق زہرہ یا مشتری کے سپرد کر دیتے۔ آہستہ آہستہ کیوں اور کیا۔ چگونہ و چرا۔ استفہام و استدراک کی قابلیت پیدا ہوئی۔ یہ بچہ بچہ نہ تھا بلکہ ہزار ہا برگزیدہ ہستیوں کی امانت اور صدہا امتوں کا مجموعہ تھا۔ تنہا تھا، لیکن لاکھوں اور کروڑوں کا ہم وزن تھا۔

انَّ ابراهيم كان امة قانتا لله حنيفا ولم يك من المشركين شاكرا لانعمه۔[1]

---

[1] ابراہیمؑ ایک رہنما اور فرمانبردار صرف اللہ ہی کا ہو کر رہنے والا تھا۔ وہ مشرک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر گذار۔

فطرت سلیمہ کا اثر

من و ما کی صلاحیت پیدا ہوتے ہی کسی پوشیدہ شے کی تلاش شروع ہوئی۔
ابتدا میں ماں سے اور آگے چل کر آزر سے سوالات کا سلسلہ شروع ہوا۔ کبھی ربوبیت کے انتہائی مرجع سے سوال کیا جاتا تھا۔ اور کبھی خالق کائنات کو دریافت کیا جاتا تھا۔ کبھی ستاروں کے محور سے بحث ہوتی تھی تو کبھی اجرام فلکیہ کے اثرات پر غور کرنے کی درخواست کی جاتی تھی، ماں باپ خود رب ہونے کا اظہار کرتے تھے۔ کبھی نمرود کو رب بتاتے، اجرام فلکیہ کو مؤثر بالذات سمجھانے کی کوشش کرتے اپنے اپنے فہم و ادراک کے موافق دونوں ماں باپ بادشاہ پرستی کی تعلیم دیتے تھے۔ لیکن اس چھوٹے سے بچے کو کسی طرح اطمینان نہ ہوتا تھا۔ جب کبھی یہ نمرود کے رب سے سوال کرتا تو دونوں ماں باپ پر بڑا شاق گزرتا۔ باپ کبھی کبھی اس قسم کے سوالات کو سختی سے روکنے کی کوشش کرتا تو آپ خاموش ہو جاتے۔ لیکن جب باپ کا غصہ اُتر جاتا تو پھر دریافت کرتے کہ جب بادشاہ بھی ہم ہی جیسا انسان ہے تو اس کو اپنی بقا و زندگی کے لئے کسی مُربّی کی ضرورت کیوں نہیں۔ کبھی فرماتے کہ اگر آسمان کے ستارے ہر شئے میں مؤثر ہیں تو آخر ان میں یہ اثر کس نے رکھا ہے۔ جب کبھی آزر کو عاجز دیکھتے تو فرماتے مجھے نمرود کے پاس لے چلو شاید وہ میری تسلی کر دے۔ آخر مجھے یہاں جنگل میں کیوں رکھا ہے۔ میں تمہارے رب سے خود اس کی ربوبیت کے متعلق گفتگو کر لوں گا۔ شاید کہ وہ اپنی خدائی کے متعلق مجھے مطمئن کر سکے، تارخ اس خواہش کے پورا کرنے سے انکار کر دیتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کی ضروریات زندگی کے متعلق مکالمہ شروع کر دیتے۔ اس کے کھانے اور پینے نیز دیگر حوائج کے متعلق گھنٹوں بحث و مباحثہ ہوتا۔ ماں اور باپ

دونوں سے اپیل کرتے کہ بھلا جو خود محتاج ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ باپ اس امر کی کوشش کرتا کہ طبیعت کو دوسری جانب متوجہ کر دے۔ لیکن سیدنا ابراہیمؑ کو چوبیس گھنٹے اسی مسئلہ سے دلچسپی تھی۔ آزر نے اپنی کمزوری کو محسوس کیا تو بعض اپنے مخصوص دوستوں کے ذریعہ اس نونہال کا اطمینان کرانا چاہا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی فطرت سلیمہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی انسان کو خدا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوئی۔ آزر کے مخصوص دوستوں کی آمدورفت سے بعض دفعہ تمام تمام رات اسی بحث میں گزر جاتی اور صبح کے وقت حضرت ابراہیمؑ مایوس ہو کر پھر غار میں چلے جاتے اور دن بھر متفکر و پریشان رہتے۔

نوائے لا احب الآفلین

جب قوم کے لوگوں سے اطمینان نہ ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عالم کی مختلف چیزوں پر خود غور کرنا شروع کیا۔ بعض دفعہ رات رات بھر اسی غور و فکر میں گزر جاتی۔ اس قدر محنت و جانکاہی کو دیکھتے ہوئے قدرت کی طرف سے رہنمائی شروع ہوئی۔ یہ ہدایت کسی کسب کے صلہ میں نہ تھی۔ بلکہ صرف موہوب لہ میں تدریجی صلاحیت کا انتظار تھا۔ پس جس کام کے لئے باری عز اسمہٗ نے اپنے خلیلؑ کو پیدا کیا تھا اس کام کا وقت آ گیا۔ اگرچہ اس غار کی صورت غار حرا کی سی نہ تھی۔ لیکن اس سے ملتی جلتی ضرور تھی۔ غار کو مجاہدے اور سعی طلب کا ذریعہ بنا لیا گیا تاکہ فطرۃ کی تدریجی رفتار کا قانون قائم رہے۔ اور کسی سبب اور کسی معلول کی علت ظاہر ہو جائے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[۵۱]

جو کچھ ملنے والا تھا وہ تو مل ہی کر رہنا۔ ازل کی نظر انتخاب کو کون پھیر سکتا تھا۔

---

[۵۱] ہم اپنے راستہ کے تلاش کرنے والوں کی خود رہنمائی کیا کرتے ہیں۔

لیکن محض اس قاعدے کے اثبات کی ضرورت تھی کہ تلاش کرنے والے پاتے ہیں اور
صحیح قدم اٹھانے والے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جستجو کرنے والوں کا خیر مقدم
کیا جاتا ہے۔ اور فطرت سلیمہ کے جائز استعمال کرنے والے توحید الٰہی کے
قائل ہی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ خلیل کی ہی طلب نے خلیل کو حاصل کر ہی لیا۔
اور لطف تو یہ ہے کہ جنگل میں بیٹھے بیٹھے وہ چیز حاصل ہو گئی جس سے آج کل
کے بڑے بڑے سیاح محروم ہیں۔

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔[1]

ملکوت کی رویت کے بعد یقان میں تخلف ناممکن ہے۔ قلب کو اطمینان ہو چکا تھا۔
اور جس کے لئے عرصہ سے بے چین تھے۔ جب وہ شے مل گئی تو والد کے دوستوں
کی جانب متوجہ ہوئے اور عالم علوی کے پرستاروں کو انہی کے اسلحہ سے مجروح
کر دیا۔ تغیرات اشیاء کا حدوث ثابت کرتے ہوئے خالق عالم اور فاطر
السمٰوٰت والارض کی جانب متوجہ کیا۔ تبلیغ کا نیا طریقہ ایجاد کیا
گیا۔ حکمت اور موعظۂ حسنہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور نہایت ہی احسن طریقہ پر
خصم کے دلائل کو پارہ پارہ کر دیا۔ ابتداء میں ھٰذا ربی سے اطمینان
دلایا کہ اچھا اس کوکب درخشاں کو رب مان لیتا ہوں بشرطیکہ شان ربوبیت قائم
رہے۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ افق مغرب سے چاند طلوع ہوا۔ قمر کی
روشنی میں کواکب کا نور کالعدم ہو گیا۔ زہرہ (جس کی ربوبیت علی سبیل
التنزل تسلیم کر لی گئی تھی) پھیکا پڑ گیا۔ حضرت ابراہیم نے فوراً ہی فرمایا

اِنِّیْ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

ایک فقرہ سے مقابل کی دلیل کو ختم کر دیا اور مشروط ربوبیت سے فوراً

---

[1] اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم علیہ السلام کو مالکیت آسمان و زمین کی۔

انکار فرماتے ہوئے مشرکین کو اس طرح اطمینان دلایا کہ میں قمر کو جو زہرہ سے زیادہ روشن اور بڑا ہے رب تسلیم کر لیتا ہوں بشرطیکہ اس میں وہ عیب نہ ہو جو پہلے معبود میں نمایاں ہوا۔ مناظرہ کی اس صورت نے خصم کے جذبات کو بھی قابو میں رکھا اور معبودان باطلہ کا قلع قمع بھی ہو گیا۔ اس مؤثر پیرایہ نے کواکب پرستوں کو ساکت کر دیا۔ رات کا آخری حصہ ختم ہو رہا تھا کہ آفتاب کی آمد شروع ہوئی۔ چاند کا نور سلب ہونا شروع ہوا۔ جو صورت زہرہ کو پیش آئی تھی وہی حال قمر کا ہوتا نظر آیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پھر توجہ دلائی اور اب کی دفعہ ایک لطیف پیرایہ میں اپنے مطلب کا اظہار اس طرح فرمایا:۔

لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین۔[1]

ربوبیۃ اصلیہ کی طرف توجہ دلا کر فوراً ہی اپنے خصم کو پھر سنبھالا۔ کیونکہ ابھی اس کے ترکش میں ایک اور تیر موجود تھا۔ اور یہی وہ آخری چیز تھی جس پہ اجرام علویا کے پرستاران کو پورا ناز تھا۔ حضرت ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ قوم کے اس آخری معبود کو بھی اسی میدان میں شکست دیدوں۔ جب ان کا سب سے بڑا رب شکست کھا جائے گا۔ تو پھر صاف صاف اپنے عقیدے کا اظہار کر دوں گا۔ خصم کی اس آخری حجت کو اور مجروح کر دیا جائے تاکہ اس کا ہاتھ خالی رہ جائے اور پھر میں نہایت آزادی کے ساتھ کلمۃ الحق کا اعلان شروع کر دوں۔ چنانچہ لم یهدنی ربی کا امدیال هذا ربی هذا اکبر سے کیا گیا۔ قوم کو اطمینان ہو گیا کہ ہمارا یہ آخری معبود اس نوجوان اور متلاشی حق کو تسلی دیدیگا۔ ہذا اکبر کے الفاظ نے اس امید کو اور بھی قوی کر دیا۔ لیکن شام سے پہلے آفتاب کی حالت بگڑنی شروع ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ جو ملکوت السموٰت والارض سے پہلے ہی واقف

---

[1] اگر میرے پروردگار نے میری صحیح رہنمائی نہ کی تو میں بھی گمراہ قوم کا ایک فرد بنکر رہ جاؤں گا۔

ہو چکے تھے۔ انھیں یہ سب کچھ معلوم تھا، اور وہ اپنی قوم کو اسی کے مسلمات سے شکست دینا چاہتے تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ کام اس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا کہ کواکب پرستوں کو منہ دکھانے کی جگہ باقی نہ رہے۔ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک جملہ اجرام علوی کا بطلان کردیا۔ شام تک آفتاب بھی اسی گھاٹ پر جا پہنچا جہاں اس سے پہلے اس کے دونوں حریف روپوش ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس آخری اور سب سے بڑے معبود کو شکست دینے کے بعد نہایت زور کے ساتھ اعلان کیا۔

یٰقوم انی بریٓء مما تشرکون ۝[1]

چونکہ معبودان باطلہ کی شکست کا پورا یقین ہو چکا تھا اور مشرکین و ملحدین دلائل و حجت و براہین سے قطعی تہی دامن تھے۔ اور ان کا تمام علم و کمال فلسفہ اور منطق ایک اشارہ ابراہیمی میں ختم ہو چکا تھا تو اب سیدنا ابراہیمؑ نے شرک سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے معبود حقیقی کے اوصاف کی جانب اس گمراہ قوم کو متوجہ کیا تاکہ معبودان باطلہ کی ذلت کے ساتھ ہی اللہ جل جلالہٗ کی عزت اور رفعت و شان سامنے آجائے۔ اور قوم کو یہ سوال کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے کہ کواکب کو چھوڑ کر کیا کریں۔ سیدنا خلیل علیہ السلام نے اپنے اس ایقان کا جو ملکوت السمٰوٰت والارض کی سیر سے حاصل ہو چکا تھا اس طرح اظہار کیا:۔

انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ۔[2]

---

[1] اے میری قوم میں تمہارے شرک اور مشرکانہ رویہ سے بیزار ہوں۔

[2] میں نے متوجہ کرلیا اپنے منہ کو اُسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔

یہ پہلا اعلان تھا جو قوم کی شکست کے بعد کیا گیا۔ اب تک قوم ایک رسمی مناظرہ یا معمولی تحقیقات سمجھ رہی تھی۔ لیکن اس اعلان کے بعد قوم کو یقین ہو گیا کہ بابل میں ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑ گئی ہے جو نہ صرف مذہبی حیثیت سے بلکہ پولیٹیکل حیثیت سے بھی موجودہ حکومت کے لئے خطرناک ہے۔

شکست خوردہ قوم نے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر مجادلہ و مکابرہ کی صورت اختیار کی، دھمکی دی گئی، تخویف تہدید کی ابتدا ہوئی۔ الغرض وہ تمام حرکتیں شروع ہوئیں جو طاقت ور کمزوروں کے مقابلہ میں کیا کرتے ہیں۔ کبھی نمرود کی مادی طاقت سے ڈرایا گیا۔ اور کبھی اجرام علویہ کی خفیہ تاثیرات سے خوف دلانے کی کوشش کی گئی۔ قوم کی طرف سے جس قدر سختی بڑھتی گئی اذعان و ایقان کی عمارت اتنی ہی مضبوط اور راسخ ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ سیدنا ابراہیمؑ جو معبود حقیقی کی قوت و طاقت سے بخوبی واقف تھے کچھ دنوں خاموشی کے ساتھ قوم کی اس حالت کو برداشت کرتے رہے، لیکن جب اس نا اہل قوم کی جانب سے باوجود تہیدستی دلائل کے یہ سلسلہ ختم نہ ہوا تو پھر آپ نے ان تمام لغویات کا جواب اپنی اولوالعزم شان کے ساتھ اس طرح دیا جس میں اپنے اطمینان اور عدم خوف کے اظہار و اعلان کے ساتھ ساتھ قوم کی غلطی اور جہالت پر اسکو دوبارہ متوجہ کیا گیا تھا۔

وکیف اخاف ما اشرکتم ولا تخافون انکم اشرکتم باللہ[1] مالم ینزل بہ علیکم سلطنا فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون ٥

---

[1] تمہارے معبودوں سے مجھے ڈرنے کی کیا پڑی حالانکہ تم تو خدا سے ڈرتے نہیں اور بلا کسی حجت و دلیل کے اس کے ساتھ شرک کر رہے ہو۔ تمہیں بتاؤ کہ خدا کا پجاری زیادہ مامون ہے یا بت پرست زیادہ مطمئن ہے۔"

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

حضرت خلیل ع کی حیات طیبہ سے اس مضمون میں صرف قارئین کرام کے سامنے ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ خداوند جل و علی کی ہستی اور اس کی وحدانیت کے لئے ایک مستقل دلیل ہے۔ بشرطیکہ کوئی بندہ صحیح تلاش کی غرض سے تیار ہو جائے۔

۱۰ ر جون ۱۹۲۷ء

عرشِ الٰہی کا سایہ

قیامت کے دن جہاں ایک طرف لوگ صدہا پریشانیوں میں مبتلا ہونگے وہاں خدا کے مخصوص اور مطیع فرمانبردار بندے عرشِ الٰہی کے سایہ میں آرام و اطمینان سے بیٹھے ہونگے۔ اگر ایک طرف دھوپ کی گرمی، پسینوں کی کثرت، حساب کی گھبراہٹ اور جہنم کی دہشت سے لوگ نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ[۱] لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝ تو دوسری طرف ایک گروہ دائمی سرور کی لذت، انعاماتِ الٰہی کی مسرت سایہ کی ٹھنڈک، چشموں کی قربت سے بہرہ اندوز ہو رہا ہوگا۔ إِنَّ[۲] الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ط

آج کی صحبت میں ہم اس مبارک اور خوش نصیب گروہ سے قارئین کرام کا تعارف کرانا چاہتے ہیں جن کو قیامت کے ہولناک دن میں عرشِ الٰہی کا سایہ اور جوارِ رحمت و قربت کاملہ کا فخر حاصل ہونیوالا ہے، اگرچہ کتب صحاح میں ان حضرات کی سات قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں اسی حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جس میں اس خوش نصیب گروہ کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے لیکن کتب احادیث کے تتبع اور تلاش سے ان حضرات کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے، اگرچہ بعض

---

[۱] مجرم اس امر کی تمنا کریگا کہ کاش وہ اپنے فدیہ میں اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے سارے کنبے کو جس میں وہ رہتا تھا، اور سب روئے زمین کے آدمیوں کو دے ڈالے، اور وہ کسی طرح اسدن کے عذاب سے نجات حاصل کرے۔

[۲] بیشک متقی لوگ سایوں میں، چشموں کے کنارے ہونگے اور ہر قسم کے میوے جنکی خواہش کرینگے، انکو ملتے ہونگے، ان سے کہا جائیگا، کھاؤ اور پیو جی بھر کر جو کچھ تم کیا کرتے تھے اسکے صلہ میں یہ انعامات ہیں۔

احادیث کی اسناد ضعیف ہیں لیکن فضائل و مناقب ہیں ان کا ضعف مخل یا مضر نہیں ہے۔ بعض روایات میں بجائے عرش کے صرف سایہ یا اطمینان و راحت کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں لیکن اتحاد مقصد و وحدت کے نتیجہ کے لحاظ سے ہم نے اُن کو بھی اسی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔ ناظرین کو اس مضمون کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اس مقدس گروہ کی تعداد بہتر تک پہونچ جاتی ہے۔ اگرچہ بعض علماء سے اسی یا اسی بھی منقول ہے۔ لیکن ہم بہتر کی تعداد کو قریب الاعتماد سمجھتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں حضرت حق جل مجدہٗ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو اور ہمارے ناظرین کو ان اعمال حسنہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ جو عرش الٰہی کے سایہ اور قرب الٰہی کے ظلّ عاطفت کا موجب ہوں گے۔

عرش الٰہی کا سایہ کن لوگوں کو میسر ہوگا

۱۔ امام عادل۔

۲۔ جوانی کی حالت میں خدا کی عبادت کرنے والا۔

۳۔ جس شخص کے دل میں ہر وقت مسجد کا خیال لگا رہتا ہے۔

۴۔ وہ دو شخص جو صرف خدا کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہوں۔

۵۔ وہ شخص جس کو کسی حسین و جمیل عورت نے تخلیہ میں اپنا نفس سونپ دیا۔ اور اُس نے باوجود قدرۃ علی الزنا خدا کے ڈر سے کہا اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ؀[1]

۶۔ وہ جو صدقہ میں اس قدر اخفا کرتا ہے کہ دائیں ہاتھ کے صدقہ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہیں ہونے دیتا۔

۷۔ تخلیہ میں خدا کے خوف سے رونے والا۔

۸۔ جو شخص اپنے مقروض کو مہلت دیتا ہے۔

---

[1] میں ڈرتا ہوں خدا تعالیٰ سے جو پروردگار ہے دونوں جہانوں کا۔

۹۔ جو مجاہد فی سبیل اللہ کی امداد و اعانت کرتا ہے۔

۱۰۔ جو شخص مکاتب کو آزاد کرنے میں مکاتب کا ہاتھ بٹاتا ہے (مکاتب وہ غلام ہے۔ جس کی آزادی کو اُس کا آقا کسی روپے کے ساتھ مشروط کردے)

۱۱۔ جو شخص کسی نیک آدمی کو محض اللہ کے واسطے دوست رکھتا ہے۔

۱۲۔ مجاہدین کے لشکر کی امداد و اعانت میں جو شخص خود بھی شہید ہوجائے۔

۱۳۔ تجارت میں سچ بولنے والا۔

۱۴۔ وہ شخص جس کے اخلاق اچھے ہوں اور خُلق حسن سے متصف ہو۔

۱۵۔ جو شخص موسمی دقتوں اور دشواریوں کے باوجود وضو کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔

۱۶۔ رات کے اندھیرے میں مسجد کی طرف جانے والا۔

۱۷۔ جس شخص نے کسی انسان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا۔

۱۸۔ وہ شخص جو یتیم کی پرورش اور یتیم کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے۔

۱۹۔ بیوہ عورت کی خدمت کرنے والا۔

۲۰۔ وہ شخص جو دوسروں کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنا حق قبول کرتا ہے۔

۲۱۔ سلطان عادل کی نیک نیتی سے خدمت کرنے والا۔

۲۲۔ جو شخص دوسروں کے حق میں وہ فیصلہ کرتا ہے اور وہی حکم لگاتا ہے جو اپنے لئے پسند کرے۔

۲۳۔ جو شخص خدا کے بندوں کی خیرخواہی کرتا رہتا ہے۔ اور ہر وقت اسی خیال میں رہتا ہے۔

۲۴۔ جو شخص اہل ایمان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا ہے۔ اور نرمی سے پیش آتا ہے۔

۲۵۔ جس عورت کا بچہ مرجائے تو جو شخص ایسی غمزدہ کی تعزیت کریگا وہ بھی عرش الٰہی کے سایہ میں ہوگا۔

۲۶۔ جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے اور قرابت داروں کے حق کو پہچانتا ہے۔

۲۷۔ وہ بیوہ عورت جو چھوٹے بچوں کی پرورش کے خیال سے دوسرا نکاح نہ کرے۔

۲۸۔ جو شخص عمدہ کھانا پکائے اور اچھی غذا تیار کرے پھر اس کھانے میں کبھی یتیم کو بلا کر شریک کرلے۔

۲۹۔ وہ شخص جو منہ پھیر بر اللہ رب العزت کی ہیبت کا یقین رکھتا ہو۔

۳۰۔ غریبوں کا وہ شکستہ طبقہ جن کی غربت اور فقیری کے باعث کوئی شخص انکی جانب متوجہ نہ ہو۔ اگر وہ کسی مجلس میں آ جائیں تو انکو کوئی پہچانے بھی نہیں۔ خاموش اور غیر معروف زندگی بسر کرنیوالے فاقوں کی مصیبت سے مر گئے۔ لیکن کسی کو خبر نہ ہوئی۔ دنیا میں مجہول لیکن آسمانوں میں مشہور لوگ انکو بیمار سمجھتے ہیں لیکن انکو سوائے خوف خدا کے دوسرا مرض نہیں ہے۔

۳۱۔ قرآن کی خدمت کرنیوالے عام اس سے کہ حافظ ہوں یا ناظرہ خواں خود بھی قرآن پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی قرآن کا مطلب بتاتے ہیں۔

۳۲۔ وہ شخص جس نے بچپنے میں قرآن سیکھا۔ اور جوان ہو کر بھی اس کو پڑھتا رہا۔

۳۳۔ وہ شخص جس کی آنکھ محارم اللہ سے باز رہی۔

۳۴۔ وہ شخص جس کی آنکھ نے خدا کی راہ میں جلنے کی تکلیف برداشت کی ہو۔

۳۵۔ وہ شخص جس کی آنکھ خدا کے خوف سے روتی رہتی ہے۔

۳۶۔ وہ شخص جو اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔

۳۷۔ جس شخص نے کبھی اپنا ہاتھ غیر حلال مال کی طرف نہیں بڑھایا۔

۳۸۔ جس شخص نے حرام کی طرف نگاہ پھیر کر بھی نہیں دیکھا۔

۳۹۔ جو شخص سود نہیں لیتے اور بیاج سے پرہیز کرتے ہیں۔ ۴۰۔ جو لوگ رشوت نہیں لیتے۔

۴۱۔ وہ شخص جو ذکر الٰہی کی غرض سے وقت کا شمار کرتا رہتا ہے۔ مثلاً کب وقت ہو اور میں نماز پڑھوں۔

۴۲۔ جس نے کسی غمگین کا غم دور کر دیا اور مصیبت زدہ کی مصیبت دور کر دی۔

۴۳۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کیا۔

۴۴۔ کثرت سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود بھیجنے والا۔

۴۵۔ مسلمانوں کے وہ بچے جو صغر سنی کی حالت میں مر گئے ہوں۔ ۴۶۔ بیماروں کی عیادت کرنیوالا۔
۴۷۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والا۔ ۴۸۔ نفل اور فرض روزہ رکھنے والا۔
۴۹۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صحیح دوستی رکھنے والے۔
۵۰۔ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سورۂ انعام کی پہلی تین آیتیں پڑھا کرتا ہو (سورۂ انعام ساتویں پارہ میں ہے۔ اس کی ابتداء سے تین آیتیں شمار کر لینی چاہئیں)
۵۱۔ دل اور زبان دونوں سے خدا کا ذکر کرنیوالا۔
۵۲۔ جن لوگوں کے دل پاک صاف اور بدن ستھرے ہوں، خدا کے لئے محبت کرتے ہوں۔ خدا کے ذکر کے ساتھ اُنکا بھی تذکرہ ہوتا ہو۔ جہاں اُنکا چرچا ہوتا ہو تو ان کے ساتھ خدا کا بھی تذکرہ ہوتا ہو۔ سردی کے موسم میں وضو کی پابندی کرنیوالے۔ ذکر خدا کی طرف مائل ہونیوالے۔ خدا کے محارم کی توہین پر غضبناک ہونیوالے، مسجدوں کو آباد اور اُنکی تعمیر میں سعی کرنیوالے۔ اور صبح کے وقت کثرت سے استغفار میں مشغول رہنے والے۔
۵۳۔ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے منع کرنے والے، خدا کی اطاعت کے لئے اُس کے بندوں کو بلانے والے۔
۵۴۔ وہ شخص جو خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر لوگوں سے حسد نہیں کرتا۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ چغلخوری سے اجتناب کا عادی ہے۔
۵۵۔ جس شخص نے اپنا مال اور اپنی جان جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کر دی۔ اور شہادت کا مرتبہ حاصل کر لیا۔ اس کے لئے عرش الٰہی کے نیچے ایک خیمہ بھی نصب کیا جائیگا۔
۵۶۔ وہ لوگ جو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔ ۵۷۔ وہ امام جس سے اُسکے مقتدی راضی ہوں۔
۵۸۔ وہ مؤذن جو اللہ کے لئے پانچوں وقت کی اذان دیتا ہے۔
۵۹۔ وہ غلام جس نے آقائے مجازی کے ساتھ مولائے حقیقی کا بھی حق ادا کیا ہو۔
۶۰۔ وہ شخص جو لوگوں کی حاجت برآری اور مشکل کشائی کرتا ہے۔

۶۱۔ اللہ کیلئے ہجرت کرنیوالا ۔ ۶۲۔ وہ شخص جو لوگوں میں صلح کرانیکی غرض سے سعی کرتا ہے۔

۶۳۔ وہ انسان جس کے دل نے کبھی زنا کا ارادہ نہیں کیا۔

۶۴۔ اہل تقویٰ (یہ سب سے زیادہ عالی مرتبہ ہوں گے)

۶۵۔ وہ شخص جو بات بھی کرتا ہے تو علم ہی کی کرتا ہے۔ اور سکوت بھی کرتا ہے تو علم کی بات پر سکوت کرتا ہے۔

۶۶۔ بیکار اور بے ہنر اور صنعت نہ جاننے والے انسان کی اعانت کرنے والا۔

۶۷۔ وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ خدا کی راہ میں اُس نے جہاد کیا۔ سچ بولتا اور امانت کو صحیح طریقے پر ادا کرتا ہے۔ غلہ کی گرانی کے لئے آرزو نہیں کرتا۔

۶۸۔ وہ شخص جو مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھتا ہے، اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ گیارہ گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ پڑھتا ہے (اس روایت کی سند منکر ہے)۔

۶۹۔ جو ماں باپ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ ۷۰۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کثرت سے کہنے والا۔

۷۱۔ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے حواصل میں رہتی ہیں، اور یہ پرندے شام کو عرش الٰہی کے نیچے قنادیل میں رہتے ہیں۔

۷۲۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سایۂ رحمٰن میں ہوں گے۔

۷۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لوائے حمد لئے ہوئے، امام حسن و حسین کے ہمراہ عرش کے سایہ میں ہوں گے، اُن کی جگہ حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ یَا رَبِّ[۱]
وَفِّقْنِیْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ ۝

---

[۱] خداوند تعالیٰ تو رحمت کاملہ نازل فرما ہمارے سردار نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور انکی آل پر۔ اے رب مجھے توفیق دے، جیسا کہ تو چاہے، اور جس سے تو راضی ہو، اے ہمارے رب اور تیرے ہی واسطے ہے ہر قسم کی تعریف۔

اہلِ بیت کے قافلہ کی دمشق سے واپسی

سیدہ زینبؓ کی روضۃ الرسولﷺ پر حاضری

نانا جان! میں لٹ گئی، میں تباہ و برباد ہو گئی، میں مدینہ سے ہری بھری گئی تھی لیکن اب سب کچھ لٹا کر لوٹی ہوں۔ سارے ہرے بھرے چمن کو اپنی آنکھوں سے لٹتا ہوا دیکھ کر آئی ہوں۔

اچھی میرے نانا! میں کیا کروں۔ میں کیا کروں۔ ہائے میں مر گئی۔ میرے ملجا! میرے ملوا! میرے دُکھ کے سہارے! اچھی مجھے بتاؤ تو میں کیا کروں۔ نانا جان! مجھ بدنصیب دکھیاری نے اہلبیت کے سارے کُنبہ کو بھوکا پیاسا خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھا ہے۔ مجھ کمبخت نے آپ کے اہل بیت کے زخمیوں کی لاشوں کو گھوڑوں سے کچلتا ہوا دیکھا ہے۔ مجھ مصیبت زدہ نے ننھے ننھے شیر خوار بچوں کے سروں کو نیزہ پہ دیکھا ہے۔

میرے نانا جان! میں آپ کے اس چمن کو جس کی حفاظت آپ نے اپنی اُمت کے سپرد فرمائی تھی آپ ہی کی امت کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوتے ہوئے دیکھ کر آرہی ہوں۔

آپ کی اُمت اور آپ کا کلمہ پڑھنے والوں نے آپ کی عزت کے چمنستان کو ایسی بیدردی سنگدلی سفاکی اور وحشت و بربریت سے پامال کیا ہے۔ جس کی مثال ناممکن ہے۔

ناناجان! آپ کا حسینؓ! وہ حسینؓ جس کو آپ اپنی پشت مُبارک پر سوار کرتے ہوئے نعم الراکب فرمایا کرتے تھے اس کو آپ کی اُمت نے سخت بیرحمی سے تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر شہید کر دیا۔

وہ حسینؓ جس کو آپ گرتے سے اُلجھا ہوا دیکھ کر منبر سے اُتر آیا کرتے تھے، اور خطبہ ترک کر دیا کرتے تھے اُسی حسینؓ کو اہل شام نے کربلا کے ریتیلے میدان اور تپتے ہوئے میدان میں نماز کی حالت میں شہید کیا اور عین اُس وقت شہید کیا جبکہ مساجد میں جمعہ کا خطبہ پڑھا جا رہا تھا۔

وہ حسینؓ! جس کو بارہا آپ نے لوریاں دے دیکر اپنے سینۂ مبارک پر سلایا تھا۔ اُسی حسینؓ کے سینے کو نیزوں سے زخمی کیا گیا۔ اُسی حسینؓ پر اس کے ننھے معصوم بچوں پر اُس کے رفقاء پر اور اس کی بے گناہ بیویوں اور بہنوں پر دریائے فرات کا پانی روک دیا گیا تھا۔ اور اس کے چھوٹے بچوں کو ایسی حالت میں جبکہ شدت پیاس سے انکی زبانیں منہ سے نکلی پڑتی تھیں اُسی حسینؓ کی آنکھوں کے سامنے تلواروں کی دھاروں سے بھالوں کی نوکوں سے اور برچھیوں سے اور چھریوں سے زخمی کیا گیا۔ اور ذبح کر ڈالا گیا۔

وہی حسینؓ جس کو آپ بضعۃ منی فرمایا کرتے تھے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، اور اس کے جسم اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا گیا۔

ناناجان! وہ حسینؓ جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا۔ من اذاہ فقد اذانی اُس بیگناہ پر اسقدر مظالم ڈھائے گئے کہ کوئی ظلم اٹھا نہیں رکھا گیا۔ جب وہ اپنے شیر خوار اور معصوم تین دن کے پیاسے بچے علی اصغر کے لئے پانی مانگنے کو خیمہ سے نکلا اور اُس نے ننھے سے بچے کے خشک ہونٹ دکھا کر اور آپ کی صاحبزادی بتول الزہراؓ کا واسطہ دے کر پانی مانگا تو ظالموں نے تیروں سے جواب دیا اور معصوم علی اصغر کو حسینؓ کی گود میں موت کے گھاٹ اُتار دیا اور آپ کے حسینؓ کا بازو بھی زخمی کر دیا گیا۔

وہ حسینؓ جس کو جوانان جنت کا سردار فرمایا کرتے تھے، اس حسینؓ کے نوجوان اٹھارہ سالہ بچے علی اکبر کو کربلا کے میدان میں قتل کر دیا اور جب علی اکبر نے زخمی ہو کر اپنے باپ کو پکارا اور حسینؓ اپنے جوان بیٹے کی لاش کو اٹھانے کے لئے گئے تو دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور اس سفاکی سے تیر چلائے کہ علی اکبر کی لاش اور حسینؓ کے جسم کو زخمی کر دیا۔

نانا جان! وہ حسینؓ جس میں آپ کو جنت کے پھولوں کی خوشبو آتی تھی آپ کے اس پھول کو آپ کے اس گلاب کو خون آشنام شامیوں نے مسل ڈالا، تیز دھوپ اور تپتی ہوئی ریت میں اس کے زخمی اور مجروح جسم کو بے آب ودانہ ڈال دیا۔ اس پر بھی ظالموں کی سفاکی ختم نہ ہوئی۔ بلکہ شمر نے خنجر سے تین دن کے پیاسے حسینؓ کا گلا کاٹا۔ اور ابن زیاد کے حکم سے اس کی بیجان لاش کی بے حرمتی کی گئی۔ اور گھوڑوں سے آپ کے نواسے کی لاش کچلوائی گئی۔

جس حسینؓ کے ہونٹوں کو آپ مسرت وانبساط سے بوسے دیا کرتے تھے، ان مبارک ہونٹوں پہ پانی حرام کیا گیا۔ اور بھرے دربار میں اس کے نازک مگر خشک ہونٹوں پر چھڑیاں ماری گئیں۔ اور دشمن ان تمام حیا سوز اور شرمناک حرکتوں پر ہنستے اور خوش ہوتے رہے۔

نانا جان! دشمن تو ظالم یہ بھی آپ کی نسل ہی منقطع کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ عابد کو بھی شہید کر دیں، اور ایک دفعہ تو ظالموں نے عابد کے قتل کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن میں دوڑ کر عابد کو لپٹ گئی۔ اور میں نے یزید سے کہا کہ اگر گلستان محمدؐ اور آل محمدؐ کے اس آخری پودے کو ہاتھ لگایا تو میں ابھی نانا جان کو پکارتی ہوں اور یاد رکھو اگر میرے نانا جان میری فریاد کو پہنچے تو پھر خیر نہ ہو گی، میری اس دھمکی سے وہ مرعوب ہو گیا اور آپ کی دہائی کے خوف سے عابد کی جان بچ گئی۔

میرے نانا۔ آپ کی نواسیوں کو آپ کی بہوؤں کو قیدی بنا کر یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ عابد بیمار کے ہاتھ ہتھکڑیوں سے جکڑے گئے۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ اس کو اونٹ کی ننگی پیٹھ پر بٹھایا گیا۔ اور راہ میں بار بار اس بیمار کو پیدل چلنے پر مجبور کیا گیا۔

حرم کو بدون ہودج کے کربلا سے شام تک لے گئے۔

حسینؓ اور حسینؑ کے رفقاء کے سروں کو نیزوں میں لٹکا کر جلوس نکالا گیا۔

فتح کے نقارے بجائے گئے۔

میرے نانا۔ میرے آقا میرے مولا اے بیکسوں کے فریادرس اے مظلوموں کے حامی و ناصر۔ اے مفلسوں اور محتاجوں کے والی۔ اے بیواؤں اور یتیموں کے ملجا۔ اپنی زینب پر کرم فرمائیے۔ زینب غمزدہ۔ زینب مصیبت زدہ۔ زینب دکھیاری زینب ستم رسیدہ۔ زینب آپ کی پیاری صاحبزادی فاطمہ زہرا کی بیٹی۔ زینب کربلا کے لٹے ہوئے قافلہ کی یادگار۔ زینب کی دادرسی کیجئے۔

ابھی میرے نانا اپنی آرامگاہ سے ہاتھ نکالئے اور اپنی زینب کو آغوش رحمت میں لے کر چھپا لیجئے کیونکہ میں اپنی زندگی سے تنگ آ چکی ہوں۔ مجھے اپنی ہی گود میں سلا لیجئے۔ مجھے اپنی ہی آرامگاہ میں دفن کر لیجئے۔ اور اس دارفانی سے ہمیشہ کیلئے معدوم کر دیجئے۔ کیونکہ زینب اس حیات مستعار سے بیزار ہو چکی ہے۔

ابھی میرے نانا جان۔ مجھے میری اماں فاطمہؓ اور میرے بھائی حسینؓ کے پاس پہنچا دیجئے کہ اب اُن کی جدائی ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔"

تمام شد